ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
15 تا 21 / اگست 2002ء

☆ قیامِ پاکستان کا پس منظر (خصوصی مضمون)
☆ انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ (منبر و محراب)
☆ آزادی! (اداریہ)
☆ بیک جنبشِ قلم (مکتوب شکاگو)

پاکستان کے بقا و استحکام کے لوازم

''...... پاکستان کے پس منظر اور پاکستان کے معجزانہ قیام کے حوالے سے پیش کردہ حقائق کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ہر صاحب فہم و شعور انسان لامحالہ اسی نتیجے تک پہنچے گا کہ ملک و ملت کے استحکام ہی نہیں بقا تک کے لئے حسبِ ذیل چیزیں ناگزیر اور لازمی ہیں:

(۱) ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو جملہ حیوانی جبلتوں پر غالب آ جائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن من دھن لگا دینے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔

(۲) ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افرادِ قوم کو ایک ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بنیانِ مرصوص بنا دے جو رنگ، نسل، زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے!

(۳) عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیر نو جو صداقت، امانت، دیانت اور ایفاءِ عہد کی اساسات کو از سر نو مضبوط کر دے اور قومی و ملی زندگی کو رشوت، خیانت، ملاوٹ، جھوٹ، فریب، ناانصافی، جانبداری، ناجائز اقرباپروری اور وعدہ خلافی ایسی تباہ کن برائیوں سے پاک کر دے۔

(۴) ایک ایسا نظامِ عدل اجتماعی (System of Social justice) جو مرد اور عورت، فرد اور ریاست اور سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف، اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے!

(۵) ایک ایسی مخلص قیادت جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص و اخلاص پر عوام اعتماد کر سکیں!''

(امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ''استحکامِ پاکستان'' سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرۃ (۷۶)

(گزشتہ سے پیوستہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

(البقرۃ:۱۴۳)

''امت وسط'' کے اندر ایک اور معنویت بھی ہے اور وہ یہ کہ درحقیقت اب یہ اُمت آخری رسول اور پوری نوعِ انسانی کے مابین ایک واسطہ (link) ہے۔ سلسلہ رسالت تو اب ختم ہو چکا' مگر محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ تو یہ اُمت مسلمہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ اور تمام انسانوں کے مابین ایک واسطہ ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ آل عمران میں اس امت کو خیرِ امت کہا گیا ہے' یعنی ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے۔

اس کے بعد آنے والے الفاظ بہت اہم ہیں: '' تاکہ تم بن جاؤ گواہ لوگوں پر (یا لوگوں کے خلاف) اور رسول بنیں گواہ تم پر (یا تمہارے خلاف)''۔ شاید بعض لوگ خلاف کے لفظ سے چونک جائیں' مگر یہ لفظ بڑا اہم ہے۔ یہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کی اہم بنیادی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ لہٰذا اس کی اصل حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ عربی میں شَھِدَ۔ یَشْھَدُ' کا معنی ہے موجود ہونا۔ شاہد وہ ہے جو موجود ہو یا دیکھ رہا ہو۔ اس موجودگی کی وجہ سے اس کے اندر شہادت یا گواہی کے معنی بھی پیدا ہوئے' کیونکہ اصل گواہ وہی ہے جو وقوعہ کے وقت موجود ہو۔ یہیں سے اس لفظ کا ایک اضافی مفہوم مدد کا پیدا ہوا' کیونکہ مدد بھی وہی کر سکتا ہے جو موجود ہو۔ کوئی بڑے سے بڑا مخلص' بہی خواہ' دوست اور حامی ہو مگر وہ موجود ہی نہیں تو مدد کیسے کرے گا۔ موجودگی ہی مدد کرنے کی بنیاد بنے گی۔ اس مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۃ البقرہ کے تیسرے رکوع میں جہاں چیلنج کیا گیا ہے کہ ''اگر تمہیں اس قرآن کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا کوئی شک ہو (کہ یہ محمد ﷺ کا اپنا کلام ہے' اللہ کا کلام نہیں ہے) تو لے آؤ اس جیسی کوئی ایک سورت بنا کر اور بلا لو اپنے سارے شہدا کو اللہ کے سوا''۔ ظاہر ہے یہاں لفظ ''شہداء'' گواہوں کے معنی میں تو آ ہی نہیں سکتا' یہاں تو مددگار کے معنی میں آئے گا۔ اسی طرح سورۃ الفتح کی آخری سے پہلی آیت میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے: ''وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ غالب کریں اس کو کُل کے کُل دین پر' اور کافی ہے اللہ بطور شہید (بمعنی مددگار)''۔ یعنی اللہ کی مدد اپنے رسولؐ کے شاملِ حال رہے گی' خواہ کوئی مدد کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ مخالفین کی تمام مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے مقابلہ میں ایک اللہ کی مدد آپؐ کے لئے کافی ہے۔ تو شہداء کے اب دو معنی ہو گئے' گواہ اور مددگار۔ اب غور کیجئے جب یہ لفظ گواہی کے معنی میں آئے گا تو لازم ہے کہ گواہی کسی کے حق میں ہوگی اور کسی کے خلاف۔ کسی جھگڑے یا مقدمے میں کسی کی گواہی ایک فریق کی تائید میں ہوگی اور اس کی تقویت کا ذریعہ بنے گی تو وہی گواہی دوسرے فریق کے خلاف پڑے گی۔ چنانچہ شہادت کے لفظ کے ساتھ دو Prepositions آتی ہیں۔ شہادت لام کے ساتھ ہو تو حق میں شہادت اور علٰی کے ساتھ ہو تو مخالفت میں شہادت۔ ایک حدیث میں لام اور علٰی کا استعمال تفہیم کے لئے بہت آسانی پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے: ((اَلْقُرْآنُ حُجَّۃٌ لَکَ اَوْ عَلَیْکَ)) ''یہ قرآن تمہارے حق میں دلیل ہے یا تمہارے خلاف حجت بنے گا''۔ تو لفظ شہادت جہاں بھی قرآن مجید میں رسولوں کے کارِ رسالت کی تعبیر کے لئے آیا' علٰی کے ساتھ ہی آیا ہے۔ رسول جس قوم کے پاس آئے اپنی دعوت و تبلیغ کی حجت براہین اور معجزات کے ساتھ اس قوم پر قائم کر دی۔ اب وہ قوم اللہ کی عدالت میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ اے اللہ ہم تک تیرا پیغام پہنچا نہیں' بلکہ وہاں پر رسول کھڑا ہو کر امت کے خلاف گواہی دے گا کہ اے اللہ تیرا جو پیغام مجھ تک آیا میں نے قوم تک پہنچا دیا' میں نے اس میں سے نہ کچھ چھپایا نہ کمی بیشی کی۔ انہوں نے میری مخالفت کی' گالیاں دیں' پتھراؤ کیا' پاگل اور مجنون کہا' میں نے سب کچھ برداشت کیا' مگر تیرا پیغام میں نے پہنچا دیا۔ یہ ہے شہادت علی الناس جو کہ کارِ رسالت کی تعبیر کے لئے قرآن کی اصطلاح ہے۔ (جاری ہے)

☆ ☆ ☆

فرمانِ نبویؐ — چوہدری رحمت اللہ بٹر

ہاتھ سے روزی کمانے کی فضیلت

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ کَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ ' وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ)) (رواہ البخاری)

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کر کھائے اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے روزی کماتے تھے۔''

بے شک سب سے افضل روزی وہی ہے جو ہاتھ سے کما کر کھائی جائے' اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے پاک روزی وہی ہے جو ہاتھ سے کوئی کام کر کے کمائی گئی ہو اور وہ تجارت جو پاک بازی کے ساتھ کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''الکاسب حبیب اللّٰہ'' کہ ہاتھ سے روزی کمانے والا اللہ کا حبیب ہے۔ جہاں زندگی میں معیارات غیر اسلامی ہو جائیں وہاں یہ پیمانے بدل جاتے ہیں اور ہاتھ سے محنت کرنے والوں کو کم درجے کے انسان سمجھا جاتا ہے اور معاشرے میں ان کی عزت و تکریم ختم ہو جاتی ہے۔ وہ معاشرہ اپنی تمام بھلائیوں سے خالی ہو جاتا ہے جہاں ہاتھ سے کام کرنا عار بن جائے اور وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی غلام اور مقروض ہو جاتی ہے' جیسے آج کل ہم پاکستانیوں کا حال ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرزا ایوب بیگ

آزادی!

غلامی اللہ کی مخلوق کے فطری اور جبلی تقاضوں سے لگا نہیں کھاتی' اسی لیے اشرف المخلوقات یعنی حضرت انسان اپنی محبوب ترین شے یعنی متاع حیات بھی آزادی پر نچھاور کردیتا ہے۔ کشمیر' فلسطین اور افغانستان میں ہونے والے خودکش حملے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے اٹی پڑی ہے کہ آزادی کے پروانوں نے ہنسی خوشی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ مسلمانانِ ہند نے بھی دہری غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے فقید المثال قربانیاں دیں۔ اگرچہ جدید دور کے سقراط و بقراط تحریک پاکستان کو محض ایک معاشی تحریک قرار دیتے ہیں لیکن 3 رجون 47ء کا اعلان آزادی ایسی تمام بے ہودہ تاویلات کا منہ توڑ جواب ہے جس میں واضح طور پر دوقومی نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا گیا تھا کہ پاکستان مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ہوگا جبکہ ہندوستان بقیہ غیر مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ہوگا۔ بالفاظ دیگر تقسیم ہند کا خالصتاً مذہبی بنیادوں پر ہونا غیر متنازعہ ہے۔ لہٰذا تحریک پاکستان کا کوئی جواز مذہب کے علاوہ تلاش کرنا بے شرمی کی حد تک ڈھٹائی کا مظاہرہ کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ خود بانیٔ پاکستان نے فرمایا کہ ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ خود گاندھی نے صورت حال کو سمجھ کر قائداعظم سے سوال کیا تھا کہ کیا پاکستان سے مراد Pan-Islamism ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کا فلک شگاف نعرہ گلی و بازار کے چھوکروں نے ہی لگایا تھا تو کیا مسلم لیگ کے کسی بزرگ نے اس وقت اس کی تردید کی تھی!

قصہ مختصر ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگانے والوں کی بات دوسری ہے ورنہ دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا' بلکہ پاکستان اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ اصل المیہ تو یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی یعنی حصول مفاد کی آزادی' قانون اور ضابطے سے آزادی' نظم وضبط سے آزادی لیا گیا جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام جو آزادی اور قیود کا انتہائی حسین مزاج رکھتا ہے' پاکستانیوں کو وارا نہ کھایا۔ لیکن اسلام کو دوٹوک انداز میں رد کر دینا چونکہ کسی کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا منافقت کا سہارا لیا گیا۔ وقتی اور عارضی دباؤ کے تحت آئین پاکستان میں بعض اسلامی دفعات شامل کی گئیں لیکن بعض دوسری دفعات کے تحت عملی نفاذ کے حوالہ سے ان اسلامی دفعات کا راستہ روک دیا گیا یا انہیں غیر موثر کر دیا گیا۔ پھر یہ کہ صرف عقائد اور مذہب کے جذباتی پہلوؤں کو تو خوب اجاگر کیا گیا لیکن پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے قطعی طور پر کچھ نہ کیا گیا۔ لہٰذا سماجی اور معاشی سطح پر اسلام کے انقلابی احکامات عید میلاد النبیؐ کے جلسوں اور نعت خوانی کی محافل تلے دب کر رہ گئے۔ ایک اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو جو حقوق اور مراعات دیتی ہے اس سے توجہ ہٹانے کے لئے یورپ کے بے حیا اور فحش کلچر کو جدیدیت کا سمبل بنا کر پیش کیا گیا۔ چنانچہ یوم آزادی منانے کا طریقہ یہ ٹھہرا کہ طبلے کی تھاپ اور نیم برہنہ جسموں کی تھرتھراہٹ سے مست کر دینے والی محافل اور مجالس کا انعقاد کیا جائے۔ ناچ کود کر جشن آزادی منانے والوں کو کہاں یہ یاد ہوگا کہ امسال ہم نے دو ایسے کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ باطنی بصیرت رکھنے والوں پر غضب الٰہی کے بند ٹوٹنے کا خوف طاری رہتا ہے۔ ایک یہ کہ ظالم اور جابر امریکہ کے ساتھ مل کر ہم نے معصوم افغانیوں کو بے دریغ ذبح کیا اور دوسرا یہ کہ سود جیسی حرام مطلق شے کو حرام قرار دینے کے عدالتی فیصلے کو منسوخ کر دیا۔ یہ قبیح جرائم اس ملک میں ہوئے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔

دراصل ہم اس موقع پر عوام اور ان کے رہنماؤں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ آزادی یقیناً نعمت کبریٰ ہے اور اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے لیکن اس کی حفاظت لہک لہک کر قومی ترانے گانے سے نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی حفاظت زوردار انداز میں ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگانے سے ہوسکتی ہے۔ اگر قومی ترانے الاپنے سے سرحدوں کی حفاظت ہوسکتی تو ہمیں 71ء میں اپنے بدترین دشمن کے آگے ہتھیار نہ ڈالنے پڑتے اور ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگانے سے اگر آزادی اور خودمختاری کی حفاظت ہوسکتی تو آج اس پاک سرزمین کو ایف بی آئی کے ایجنٹ اپنے ناپاک قدموں سے روند نہ رہے ہوتے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ انگریز اور اس کی فوج کو ہند سے نکال دینا اگر غلامی سے نجات ہے تو امریکی فوجیوں کو اپنے اڈوں کا قبضہ دے دینا آزادی کس طرح کہلا سکتی ہے؟ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہم اپنی آزادی کی حفاظت میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ حصول آزادی کے چوبیس سال بعد پاکستان دولخت ہوگیا اور آج باقی ماندہ پاکستان میں وزارت داخلہ پر ایف بی آئی اور وزارت خزانہ پر عالمی بینک اور آئی ایم ایف قبضہ جمائے ہوئے ہیں جبکہ وزارت خارجہ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ترجمان دکھائی دیتی ہے۔ کہاں ہے وہ آزادی جس کا ہم جشن منا رہے ہیں؟ ہمیں حقائق کا سامنا کرنا ہوگا۔ اپنی سابقہ ناکامیوں کا تجزیہ کر کے مستقبل کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ جس نظریہ کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا اس کے عملی نفاذ کے بغیر ہم اس ملک کی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ ویسے بھی ہم آخر کب تک موسیقی کے بے ہنگم شور میں اپنی ناکامیوں کو چھپا سکیں گے!!

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور | مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور | بانی: اقتدار احمد مرحوم
[illegible] جلد 11 شمارہ 32 | پبلشر: اسعد احمد [illegible] | مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زرتعاون: 250 روپے فی شمارہ: 5 روپے | مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور [illegible]

انقلابی نظریہ کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہے
انقلابی نظریہ کارکنوں کے ذہنوں میں راسخ رہنا چاہئے
تعمیر کے لئے ایک منظّم اور تربیت شدہ جماعت کی ضرورت ہے
جمعہ کے ہفتہ وار اجتماع کا مقصد قرآنی نظریات وتصورات کی یاددہانی کرانا ہے
روزہ نفس کو کنٹرول کرنے اور روحانیت کو بڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے

... باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کے 9 اگست 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

''انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ''

سیرت النبیؐ سے اخذ شدہ انقلابی جدوجہد کے چھ مراحل میں سے گزشتہ خطبات جمعہ میں دو مراحل بیان ہو چکے ہیں یعنی:

۱۔ کوئی انقلابی نظریہ ہو جسے پیش کیا جائے۔
۲۔ جو لوگ شعوری طور پر انقلابی نظریہ قبول کریں انہیں منظم کیا جائے۔

انقلابی نظریہ کے حوالے سے یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے کہ اسلام کا انقلابی نظریہ توحید ہے جو انسان کے اجتماعی نظام کے تینوں گوشوں کے بارے میں انقلابی تصور دیتا ہے:

۱۔ سیاسی نظام میں اللہ کی حاکمیت جبکہ انسان کے لئے خلافت۔
۲۔ معاشی معاملات میں اللہ کی ملکیت اور انسان کے لئے امانت۔
۳۔ سماجی معاملات میں پیدائشی اعتبار سے کامل انسانی مساوات۔ ہاں اگر کسی کا علم زیادہ ہے کسی کا زہد زیادہ ہے تو اسے فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن کوئی شخص رنگ' زبان' قومیت کی بنیاد پر نہ ادنیٰ ہے اور نہ اعلیٰ۔

دوسرے تنظیم یعنی جماعت بھی انقلاب کے لئے لازمی شے ہے۔ جب تک ایک منظّم جماعت نہ ہو انقلاب نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ پورے نظام سے ٹکر لینی ہے۔ ایک منظّم جماعت ہی اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے۔ سیرت النبیؐ میں جماعت سازی کے لئے جو اساس اختیار کی گئی وہ بیعت کی تھی۔

ہمارا آج کا موضوع انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ ''تربیت'' ہے۔ تربیت کے بغیر انقلابی جدوجہد بے معنی ہے۔ بقول اقبال ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

اور بقول اکبرالٰہ آبادی ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

اگر کچھ خام لوگوں کا گروہ یا ہجوم ہے تو اس کے ذریعے تخریب تو ہو جائے گی تعمیر نہیں ہوگی۔ یعنی کسی نظام کو گرانا ہو تو شاید کامیاب ہو جائیں لیکن تعمیر نہیں ہوگی۔ تعمیر کے لئے منظّم اور تربیت شدہ جماعت چاہئے۔ اس تربیت کے لئے تین بنیادی اصول تو ہر انقلاب کے لئے لازم ہیں۔ البتہ ایک چوتھا اضافی اصول صرف اسلامی انقلاب کے لئے لازمی ہے۔ انقلابی تربیت کا پہلا اصول یہ ہے کہ انقلابی نظریہ کارکنوں کے اذہان میں راسخ رہے۔ اس لئے کہ اگر نظریہ ذہن سے دھندلا گیا تو قربانی دینے کا جذبہ بھی کم ہو جائے گا۔ دوسرے سمع وطاعت (Discipline) کی عادت ڈالی جائے۔ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

یہ بات ازخود پیدا نہیں ہوتی اس کی بھی ٹریننگ ضروری ہے۔ تربیت کا تیسرا ہدف ہے قربانی کے لئے آمادگی۔ ہر شے قربان کرنے کے لئے تیار رہنا' تن' من' دھن لگا دینا۔ جب تک انقلابی کارکنوں میں یہ جذبہ نہ ہوگا انقلاب نہیں آ سکتا۔

یہ تین چیزیں ہر انقلاب کے لئے ضروری ہیں۔ چوتھا معاملہ صرف اسلامی انقلاب کے لئے Exclusive ہے اور وہ ہے اخلاقی وروحانی تربیت۔ چونکہ اسلامی تربیت کا ایک پہلو روحانیت کا بھی ہے اس لئے اسلامی انقلابی جدوجہد کے لئے روحانی تربیت ضروری ہے۔

اب ہم ان چار چیزوں پر غور کرتے ہیں کہ یہ کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں: پہلی بات یہ کہ نظریہ کیسے مستحضر رہے؟ قرآن اور سیرت نبویؐ سے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پڑھتے رہو' پڑھتے رہو۔ کیونکہ آپؐ کے انقلابی نظریہ کا منبع اور سرچشمہ قرآن ہے۔ اسی لئے ابتدا ہی میں حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا گیا۔

''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے' کھڑے رہا کرو رات بھر سوائے تھوڑے سے حصے کو چھوڑ کر۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم یا یہ کہ اور بڑھاؤ' اور آرام آرام سے ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھو''۔

اس کا اقبال نے یوں نقشہ کھینچا ہے ؎

چوں بجاں دررفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

جب یہ قرآن کسی انسان کے باطن میں اتر جاتا ہے تو اس کے اندر تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس کی تمنائیں اور آرزوئیں بدل جاتی ہیں۔ اس کی سوچ اور مقاصد بدل جاتے ہیں۔ جب کسی انسان کے اندر یہ انقلاب آتا ہے تو اسی سے عالمی انقلاب کی بنیاد پڑتی ہے۔

آگے فرمایا: ''یہ اس لئے ہے کہ ہم آپؐ پر ایک بڑی بھاری بات ڈالنے والے ہیں''۔

آپؐ صرف ایک نبی نہیں ہیں خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ صرف ایک رسول نہیں آخرالمرسلین ہیں۔ آپؐ پر نبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔ لہٰذا آپؐ پر ایک عظیم ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے۔ وہ ذمہ داری کیا تھی۔ سورہ مدثر میں فرمایا:

''اپنے رب کی کبریائی قائم کرو۔''

اللہ کی بڑائی نافذ کر دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بڑی محنت' مشقت درکار ہے۔ لہٰذا اس کے لئے آپؐ کو ترتیل قرآن کا یہ حکم دیا گیا تاکہ قرآن سے اس کام کے لئے قوت حاصل ہو۔ پھر سورۃ المزمل کے دوسرے رکوع میں یہ بھی بتا دیا۔ ''(اے نبی) آپ کے رب کو خوب معلوم ہے (کہ آپ اس کے حکم پر خوب عمل کر رہے

ہیں۔)اور آپ خود ہی نہیں آپ کے ساتھی بھی کھڑے رہتے ہیں۔ دو تہائی شب یا کم سے کم ایک تہائی شب''

یہ مشقت اس لئے کرائی تا کہ قرآن ان کی شخصیتوں کا جز بن جائے۔ جیسے پانی میں چینی گھول دی جائے تو وہ اس کا جزو لاینفک ہو جاتی ہے۔ اسی طریقے سے قرآن بھی وجود میں سرایت کر جاتا ہے۔ یہ تو ابتدائی مکی دور کی آیات ہیں۔ لیکن مکی دور کے وسط میں جب شدائد بڑے شدید ہو گئے تھے اس وقت بھی سورۃ العنکبوت میں یہی فرمایا گیا:

''(اے نبی) پڑھتے رہئے وہ چیز جو آپ پر نازل کی گئی ہے کتاب میں اور نماز قائم کیجئے۔''

نماز کیا ہے؟ نمازوں میں بھی پانچ مرتبہ اپنے معمولات سے نکل کر قرآن مجید پڑھنا ہے۔ سورۃ الفاتحہ تو ہر نماز میں پڑھنا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا استحضار نہ ہوگا انقلابی نظریہ ذہنوں میں راسخ نہیں رہے گا۔ چنانچہ سورۃ کہف میں بھی فرمایا گیا

''(اے نبی) جو شدائد آئیں جو مشکلات آئیں آپ دائیں بائیں نہ دیکھیں۔ آپ بس اپنے رب کی کتاب کے ساتھ چمٹے رہئے۔ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور اللہ کے سوا آپ کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے۔''

گویا اللہ کی پناہ میں آنے کا ذریعہ اس کا کلام ہے۔ یہ میں نے قرآن حکیم کے تین مقامات آپ کو بتائے جو شروع کے زمانے سے تھے۔ اس کے بعد جب آپ مدینے میں آ گئے تو جمعہ کا نظام قائم کیا گیا۔ جمعہ کا نظام دراصل قرآن کے ذریعے تعلیم بالغاں کا نظام تھا۔ یعنی ہفتہ میں ایک بار جمع ہوا کرو بڑے خوبصورت انداز میں نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر تا کہ ماحول تر و تازہ رہے اور اللہ کا رسول تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائے۔ خطبے میں حضور ﷺ یہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز جمعہ سے پہلے عربی خطبے کا یہ نظام آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ گویا ہفتہ وار اجتماع تھا جس کا مقصد انقلابی نظریات و تصورات کی مسلسل یاد دہانی کراتے رہنا تھا۔ اسی سے انقلابی جماعتوں نے ہفتہ وار اجتماع کا اصول اخذ کیا۔ کیمونسٹوں کے ہاں weekly میٹنگ اسی لئے منعقد ہوتی تھیں تا کہ اگر کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہوں تو ان کو جھٹک دیں مل جل کر مذاکرہ کریں تا کہ اس فکر کے تمام لوازمات ذہن میں واضح رہیں۔ اس ہفتہ وار اجتماع کا آغاز دراصل حضرت محمد ﷺ نے کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج وہ ہفتہ وار اجتماع جمعہ ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ افسوس اس ہفتہ وار اجتماع کو تعلیم قرآن کا ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ اختلافی مسائل پر بحث ہو رہی ہے، سیاسی مسائل پر تقریر ہو رہی ہے۔ یہ اگر ہوں بھی تو ثانوی درجہ میں ہونی چاہئیں۔

اب آیئے دوسری چیز یعنی سمع و طاعت کی مشق کی طرف۔ ظاہر ہے جب نظم قائم ہوگا تو احکام دیئے جائیں گے اور ان احکام پر عمل بھی ضروری ہوگا۔ صحابہؓ نے مکی دور میں اس پر انتہائی درجے میں عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خباب بن الارتؓ کو لوگوں نے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا۔ لیکن انہوں نے ''کفوا ایدیکم'' کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کو برداشت کیا اور کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ ورنہ انسان کے پاس اگر دوسرا راستہ نہ ہو تو کم از کم وہ مشتعل ہو کر دو چار کو تو مار کر مرے گا۔ لیکن صحابہؓ نے ڈسپلن کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں کیونکہ اس کے بغیر انقلاب نہیں آ سکتا۔

تربیت کا تیسرا ہدف ہے ہر شے قربان کر دینا۔ یہ فطرت انسانی ہے کہ جس شے کو انسان حق سمجھتا ہے اس کے لئے تن من دھن قربان کر دیتا ہے۔ یہ انسان کی مروت اور شرافت کا بھی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیمونسٹ افراد نے اشتراکی انقلاب کے لئے قربانیاں دی تھیں۔

اسلامی انقلاب کے لئے سب کچھ قربان کر دینا تو زیادہ آسان ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں ہر شے کا اجر آخرت میں ملے گا۔ جان جائے گی تو سیدھا جنت میں جاؤں گا۔ اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر کئی سو گنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے:

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بویا جائے جس سے پودا نکلے۔ اس میں سات بالیاں ہوں اور ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں''۔

یہ حساب ہے جو آخرت میں ہوگا یعنی سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ جسے سات سو گنا ملتا ہو اس کے لئے مال قربان بہت آسان ہے۔ بس آخرت پر یقین حاصل ہونا ضروری ہے۔

یہ تین چیزیں تو ہر دنیاوی انقلاب کے لئے لازمی ہیں۔ لیکن اسلامی انقلاب کے لئے روحانی تربیت بھی ضروری ہے۔ وہ اس لئے کہ دنیاوی انقلابی جماعت مثلاً کیمونسٹ پارٹی کے مرد و عورت اراکین آپس میں جیسے چاہیں اختلاط کریں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اسلامی انقلابی جدوجہد میں یہ نہیں ہوگا۔ یہاں تو ضبط نفس کی تربیت ضروری ہے۔ اپنے جنسی تقاضوں کو کنٹرول میں رکھنا شرط اول ہے۔ سورۃ المعارج اور سورۃ المومنون میں جہاں اہل ایمان کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں وہاں فرمایا گیا کہ ان میں بہت بڑا وصف یہ ہے کہ (اہل ایمان) اپنی شرم گاہوں کی مکمل حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر، سو ان پر کوئی ملامت نہیں۔'' جنسی عمل فی نفسہ برائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ تقاضا رکھا ہے۔ جیسے پیٹ کھانے کو مانگتا ہے لیکن اسے حلال چیز سے پُر کرو۔ اسی طرح جنسی خواہش حلال راستے سے پوری کرو۔ روزہ بھی اسی لئے فرض کیا گیا کہ نفس کو کنٹرول کرنے اور روحانیت کو بڑھانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بہرحال یہ وہ چار بنیادیں ہیں جن سے انقلابی اسلامی تربیت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اس تربیت کے بغیر انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔

اب تک حضور اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے تین مراحل بیان ہو چکے۔ ان تینوں کا حاصل یہ ہے کہ تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت وجود میں آ جائے جو ایک طاقت اور قوت بن جائے تا کہ باطل نظام کو چیلنج کر سکے!!

حالاتِ حاضرہ:

حکومت کی تیاریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکتوبر میں الیکشن ہو جائیں گے۔ نیز یہ انتخابات انجینئرڈ تو ہو سکتے ہیں لیکن یورپی یونین اور عالمی برادری کی غیر معمولی دلچسپی کے باعث دھاندلی کے امکانات بہت کم رہ گئے ہیں۔ متحدہ مجلس عمل کے نام سے دینی جماعتوں کا اتحاد ایک اچھی علامت ہے تاہم اگر دینی جماعتیں ۱۹۷۰ء میں متحد ہوئی ہوتیں تو آج ملک کی تاریخ مختلف ہوتی، کیونکہ ان تیس سالوں میں عوام کے گراس روٹ لیول تک سیکولرائزیشن کا عمل گہرا ہونے کے باعث آج عوام میں دینی جماعتوں کا وہ احترام اور مقام نہیں جو پہلے تھا۔

بہرحال متحدہ مجلس عمل کو وقتی مفاد کے پیش نظر سیاسی جماعتوں سے گٹھ جوڑ یا انتخابی ایڈجسٹمنٹ کر کے اپنے کردار کو عوام کی نظروں میں مشکوک نہیں بنانا چاہئے بلکہ پورے ملک کی سطح پر اپنے آدمیوں کو کھڑا کرنا چاہئے تا کہ معلوم ہو کہ کتنے فی صد لوگ دینی جماعتوں کے ساتھ ہیں۔ انتخابی گٹھ جوڑ سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ متحدہ مجلس عمل کو دو چار سیٹیں زیادہ مل جائیں لیکن دینی جماعتوں کا وقار مجروح ہوگا۔ جبکہ دوسری صورت میں دینی جماعتوں کو جتنی بھی سیٹیں ملیں گی وہ اسمبلی میں اپنا گروپ بنا کر حکومت پر نفاذ شریعت کے حوالے سے دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ اگر یہ دینی جماعتیں انتخابات تک متحد رہیں اور کسی سیاسی جماعت سے وقتی مصلحت کے تحت سودے بازی نہ کی تو ہم ان کی بھرپور تائید و حمایت کریں گے۔

سکوں پرستیِ راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک!

قیامِ پاکستان کا پس منظر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک فکر انگیز خطاب ''پاکستان' ایک فیصلہ کن دوراہے پر'' سے اقتباس

پاکستان کے اس مخمصۂ وجود (Dilemma of existence) یا Predicament کی اساس یہ ہے کہ جس وقت پاکستان منصۂ شہود پر آیا اس عالمی تہذیب کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا تھا اور پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ گویا پوری دنیا کا جو رخ تھا اس کی بالکل مخالف سمت میں اور اصولی و نظری اعتبار سے اس پورے نظام اور پورے عالمگیر تمدن (Global Civilization) کے Anti thesis کے طور پر اور اس کے چیلنج کی حیثیت سے وجود میں آیا۔

انگریز کی آمد سے قبل پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا' جس پر ہم نے کہیں آٹھ سو برس اور کہیں ہزار برس تک حکومت کی' لیکن پھر ہم کمزور پڑے تو ع'' ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' کے مصداق انگریز ہم پر مسلط ہو گئے اور ان کی حکومت قائم ہو گئی' اور اس سے پھر ایک تبدیلی پیدا ہوئی کہ تلوار کی حکومت کی بجائے قلم کی حکومت شروع ہو گئی۔ انگریز وائسرائے کا یہ بہت معروف ہے:

Will you be governed by sword or by pen.?

اوّل اوّل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوئی' لیکن 1857ء کی جنگِ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد انگریز کی حکومت مستحکم ہو گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے بجائے ہندوستان براہِ راست تاجِ برطانیہ کے تحت آ گیا' اور اب یہاں انگریزی قانون کی عمل داری شروع ہو گئی۔ اس دور میں کسی قوم کی تعداد کو فیصلہ کن عامل کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ انگریزوں نے اکثر و بیشتر اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا' لہٰذا انہیں خطرہ تھا کہ ع'' ان کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو!'' کے مصداق ان کے دل میں یہ امنگ پیدا ہو سکتی ہے کہ چونکہ ہمیں تختِ حکومت سے محروم کر کے محکوم بنایا گیا ہے تو ہم دوبارہ تخت پر قبضہ کریں۔ ان میں بغاوت کے آثار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انگریز کی پالیسی یہ رہی کہ ان کو دبایا جائے۔ ہندو پہلے بھی غلام تھا اور اب بھی غلام تھا۔ ان کے لئے معاملہ محض آقاؤں کی تبدیلی (change of masters) کا تھا کہ پہلے وہ مسلمانوں کے غلام تھے' اب انگریزوں کے ہو گئے۔ ان کے لئے تو کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوا۔ انگریز نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی اور ہندوؤں نے بھی انگریز سے رشتے گانٹھنے شروع کئے۔ اس سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک خوف پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ ہندوؤں کی عددی اکثریت بروئے کار آ جائے گی تو ہم اچھوت بن کر رہ جائیں گے اور ہماری کوئی حیثیت اور کوئی سیاسی مقام نہیں رہے گا۔ لہٰذا جب قلم کے ذریعے حکومت (governement by pen) شروع ہوئی اور انگریزوں نے یہاں کے مقامی شہریوں کو کچھ حقوق دینے شروع کئے تو مسلمانوں نے اس مطالبے کا آغاز کیا کہ ہمارے جداگانہ حقوق ہونے چاہئیں' کیونکہ ہم ایک علیحدہ entity ہیں' ہمارا الگ تشخص ہے' ہماری قومیت اور تہذیب و تمدن جدا ہے' ہمارے قوانین جدا ہیں' ہمارے شب و روز جدا ہیں' ہمارا سارا معاملہ ہندو قوم سے علیحدہ ہے' چنانچہ ہمیں ایک علیحدہ قوم تصور کیا جائے اور ہمارے حقوق کی ضمانت دی جائے۔ یہ سلسلہ بہت عرصے تک چلا ہے' جبکہ ابھی کسی آزادی کا سوال نہیں تھا۔ ابھی تو انگریزی حکومت کے تحت ہی مراعات و حقوق کے معاملے میں مسلمان کچھ تحفظات چاہتے تھے' جس کے لئے 1906ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔

ہوتے ہوتے صورتِ حال نے نیا رخ اختیار کیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو قوم میں تو شدید انتقام کا جذبہ ابھر رہا ہے اور وہ اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں۔ یہ بھی سامنے آیا کہ شدھی کی تحریک بھی شروع کر دی گئی اور سنگھٹن کی تحریک کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ خوف لاحق ہوا کہ ہندو تو ہماری تہذیب و تمدن' زبان' کلچر اور ثقافت کو برباد کر دیں گے اور معاشی طور پر ہمارا استحصال کریں گے۔ جب یہ خوف بڑھا تو پھر ہم نے اپنے حقوق کے تحفظ کا راگ اور زیادہ زور سے الاپنا شروع کر دیا۔ محمد علی جناح ایک طویل عرصے تک کانگریس کے رکن بھی رہے اور مسلم لیگ کے بھی' لہٰذا انہیں ہندو کو بہت قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے انہوں نے صحیح طور پر سمجھا کہ ہندو کی ذہنیت درست نہیں اور وہ اپنے ابنائے وطن سے انصاف نہیں کریں گے' ان سے کسی خیر کی توقع نہیں' تب مایوس ہو کر انہوں نے اپنا موقف تبدیل کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ہمیں راگ تو اسی کا الاپنا تھا کہ ہماری تہذیب و تمدن علیحدہ ہے' ہمارے خیالات و نظریات' ہمارے عقائد اور ہماری قومیت علیحدہ ہے' مسلمان خود اپنی جگہ پر ایک قوم ہیں۔ اس موقف کے بغیر قانونی و دستوری تحفظات کا وہ نعرہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا اور آزادئ ہند کی صورت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطۂ زمین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر وطن کی بنیاد پر تمام اہل ہندوستان کو ایک قوم مانا جاتا تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ بھارت کی تقسیم ہو۔

اسی اثناء میں ایک اور شخصیت علامہ اقبال منظر پر آ گئے۔ اقبال نے ایک طرف اسلام کے انقلابی تصورات کی تجدید کی اور انہیں از سرِ نو زندہ کر دیا کہ اسلام ایک مذہب نہیں' دین ہے' یہ نظامِ عدل و قسط ہے اور یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے' جو اپنا تسلط چاہتا ہے۔ اسلام کا یہ تصور خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد رفتہ رفتہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوتے تقریباً معدوم ہو گیا تھا اور اسلام ایک مذہب بن کر رہ گیا تھا' جس کو از سرِ نو دین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے لانے والا اقبال ہے۔ اس اعتبار سے میں اقبال کو فکرِ اسلامی کا مجدد قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کے یہ نظریات ان کی شاعری کے ذریعے منظر عام پر آئے۔ اور پھر 1930ء میں انہوں نے یہ تصور بھی دے دیا کہ اگر ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گئی' تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے رخِ روشن پر عرب دورِ ملوکیت میں جو داغ پڑ گئے تھے ان کو ہٹا کر اسلام کا اصل منور چہرہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ گویا ایک احیائی تصور تھا جو علامہ اقبال نے دیا تھا۔ بنیادی طور پر مسلم لیگ کی تحریک دفاعی تھی' ہندو کے غلبے کے مقابلے میں دفاع کی کوشش تھی' لیکن اس میں احیاء کا تصور علامہ اقبال نے دوڑایا تھا' ورنہ مسلم لیگ میں اسلام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے دوسرا کام یہ کیا کہ انہوں نے دنیا میں احیائے اسلام اور غلبۂ اسلام کی نوید سنائی اور یہ امید دلا دی کہ

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب

محمد یونس جنجوعہ

آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر تھی جبکہ صدیق اور عتیق لقب تھے۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ یہ وہی ابوقحافہ ہیں کہ جب فتح مکہ کے بعد وہ اپنے بیٹے ابوبکرؓ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا ابوبکر انہیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ ابوقحافہ نے لمبی عمر پائی اور ۹۷ سال کی عمر میں ۱۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رحلت فرما چکے تھے۔

آپؓ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ دیانت و امانت اور راست بازی آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپ مکہ کے خوشحال تاجر تھے۔ مسلمہ منکرات سے ہمیشہ دور رہے اسی لئے شراب نوشی سے بھی نفرت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اکثر میل جول رہتا بلکہ بعض تجارتی سفروں میں بھی ہم رکاب رہے۔

جب آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا تو ابتداً آپؐ نے اپنے رفیق خاص ابوبکر سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ اسی وقت بلا تامل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میل جول نے پہلے ہی آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا گرویدہ بنا رکھا تھا چنانچہ آپ نے قبول اسلام میں ذرہ بھی پس و پیش نہیں کیا نوجوانوں میں آپ سب سے پہلے شخص تھے جو ایمان لائے۔ اب رسول اللہ ﷺ کا آپؓ کے گھر آنا جانا معمول بن گیا اور دوستی اور پختہ ہو گئی۔

شروع میں اسلام قبول کرنے والے اکثر نادار، مفلس اور غلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ان بے بس غلاموں کی آزادی پر آپ نے بے دریغ مال لٹانا شروع کیا۔ بلال، عامر بن فہیرہ کو ان کے ظالم مالکوں سے آپ ہی نے نجات دلائی۔ جب مکہ میں قریش نے اسلام قبول کرنے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو انہیں اول حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ روانہ ہو رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے بھی اجازت چاہی مگر آپؐ نے روک دیا۔ آخر ایک دن آپ کو ہجرت کے لئے اذن خداوندی ہوا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیا اور رات کی تاریکی میں ہجرت کا یہ سفر جاری ہو گیا۔ غار ثور پہلی پناہ گاہ ثابت ہوئی۔ دونوں دوست غار کے اندر داخل ہو گئے۔ ابوبکرؓ نے غار کو صاف کیا۔ تمام سوراخ بند کئے۔ ایک سوراخ جو رہ گیا اس پر آپؓ نے اپنی ایڑی رکھ دی۔ اسی سوراخ پر سے سانپ نے آپؓ کو ڈس لیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ آپؓ کے زانو پر سر رکھے محو استراحت تھے۔ درد کی شدت سے آپؓ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا پڑے۔ آنسو کا ایک قطرہ آپؐ کے چہرہ انور پر گرا تو آپؐ بیدار ہوئے۔ پوچھا کیا ہوا۔ آپؓ نے بتایا کہ سانپ نے ڈس لیا ہے۔ آپؐ نے اسی وقت لعاب دہن متاثرہ ایڑی پر لگا دیا جس سے درد رفع ہو گیا۔ غار کے اس قیام نے آپ کو یار غار بنا دیا اور آج لفظ ہر جگری دوست کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔

ادھر قریش کو آپؐ کی ہجرت کا علم ہوا تو آپؐ کی گرفتاری کے لئے سو اونٹوں کا اعلان کر دیا، چنانچہ کئی دشمن تلاش میں نکلے۔ مگر سب ہی خائب و خاسر رہے۔ تین دن رات غار میں گزارنے کے بعد یہ کاروان آگے روانہ ہوا۔ راستے میں جو آدمی ملتا تو پوچھتا یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔

آپؐ جواب دیتے یہ میرے راہ نما ہیں۔ چلتے چلتے ربیع الاول کی بارہ تاریخ نبوت کے چودھویں سال آپ مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ چند روز قبا میں قیام کیا اور پھر مدینہ میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت اہل مدینہ کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا کہ انصار پھولے نہیں سما رہے تھے۔

مدینہ میں پہنچ کر آپؐ نے بے سروسامان مہاجرین کے ایک ایک فرد کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اسے مواخات کہتے ہیں۔ ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ نصرت اور ایثار کی وہ رسم ڈالی کہ تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس رشتہ مواخات میں ابوبکرؓ کو خارجہ بن زہیر کا بھائی قرار دیا گیا جو مدینہ کے ایک معروف آدمی تھے۔ مدینہ میں اولین کام مسجد کی تعمیر تھا جہاں اجتماعی عبادت بھی ہو وہ جگہ مشاورت اور تعلیم کے لئے بھی استعمال ہو۔ جو زمین اس مقصد کے لئے منتخب کی گئی اس کی قیمت ابوبکرؓ نے ادا کی۔ بعد ازاں جب مسجد کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو جہاں دوسرے مسلمانوں نے گرم جوشی دکھائی وہاں خود رسول اللہ ﷺ نے اور یار غار نے بھی مزدوروں کی طرح کام کیا۔

رمضان ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا۔ جس میں دیگر جانثاروں کے ساتھ ابوبکرؓ بھی شامل تھے جو تیغ بکف آپؐ کا دفاع کرتے رہے۔ اس جنگ میں ۳۱۳ مجاہدوں نے اپنے سے تین گنا مسلح اور تیار جنگجوؤں کو شکست فاش دی۔ کفار کے ستر افراد جن میں اکثر سردار تھے مسلمانوں کی قید میں آئے جن کے بارے میں مشاورت کی گئی تو ان کو فدیہ کی ادائیگی پر چھوڑنے کا فیصلہ ہوا۔ اکثر صحابہ کے ساتھ ابوبکرؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ اگلے سال معرکہ احد پیش آیا۔ اس میں بھی ابوبکرؓ شامل تھے۔ پہاڑی درہ میں متعین تیراندازوں نے جب اپنی جگہ چھوڑی تو قریشی جنگجوؤں نے اچانک ادھر سے حملہ کر دیا جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بھگدڑ مچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک زخمی ہوئے۔ یہ بھی مشہور ہو گیا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ ایسے موقع پر بھی آپؓ نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ بلند آواز سے پکارتے رہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں۔ جنگ کے خاتمہ پر جس جماعت نے بھاگتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا ان میں ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ معرکہ احد کے بعد پیش آنے والے تمام معرکوں میں بھی ابوبکرؓ دیگر مجاہدین کے ساتھ برابر شریک رہے۔

۶ھ میں جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے تو کفار قریش مزاحم ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا۔ بات چیت کے لئے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا گیا۔ اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے تمام جانثاروں سے جہاد پر بیعت لی۔ اس بیعت کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفتح میں ہوا۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کا نام دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شامل تمام افراد جنہوں نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی کو اپنی رضامندی کی سند دی۔ اس بیعت میں دیگر خوش نصیبوں کے ساتھ ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کے سبب مکہ کا ارادہ کیا۔ دس ہزار صحابہ کی جماعت آپؐ کے ہمراہ تھی۔ مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے والی اس قدسی صفات جماعت میں ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ اسی موقع پر آپؐ کے والد ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ فتح مکہ سے واپسی پر ہوازن سے جنگ ہوئی جس میں ابوبکرؓ شامل تھے۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

تعلیم بی اے ایم اے اسلامیات کی تیاری میں مصروف، عمر تقریباً 27 سال، باپردہ فیملی کی گھریلو لڑکی کے لئے گھریلو باپردہ فیملی کا رشتہ درکار ہے۔ حافظ یا عالم قابل ترجیح ہے۔

رابطہ: شاہد علی، ملتان۔ فون نمبرز:
(061) 581205, 5826335

بیک جنبش قلم!

قوموں کے زوال کے اسباب کا ایک اہم سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ قوم بنیادی اہمیت کے اصول وضوابط کو پس پشت ڈال کر لاحاصل بحث، لغویات اور نچلے درجے کی جزئیات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر اس پر اپنی صلاحیت، وقت اور توانائی ضائع کرنے لگتی ہے۔ جبکہ ہماری زندگی، ہماری صحت، ہمارا ذہن، صلاحیتیں اور ہمارا وقت یہ سب اللہ کی عطا کردہ امانتیں ہیں اور ہمیں ان کے لئے جواب دہ ہونا ہوگا۔ فارسی مقولہ ہے کہ ''انسان کی قابلیت اس کی زبان کے نیچے چھپی ہوتی ہے۔'' اور ترکی محاورہ ہے کہ ''انسان کی قیمت اس کے قول سے جانچی جاسکتی ہے۔'' اسی طرح کی لاطینی کہاوت ہے کہ ''قلم کی پھسلن ذہن کی مرہونِ منت ہے۔'' یعنی جیسی ذہنیت ہوگی ویسی ہی تحریر۔

علماء فرماتے ہیں عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور کائنات کی تقدیر لکھنے کا اس کو حکم دیا۔ دوسرے، فرشتوں کے قلم جن سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد میں ان سے کام لیتے ہیں۔ کتابت درحقیقت بیان ہی کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی ایک مخصوص صفت ہے۔ اپنی اس مخصوص صفت کے ذریعے انسان نے علم و ادب کے میدان میں بلاشک و شبہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج قلم کاروں کی اکثریت اسلامی ادب کے دائرے سے باہر ہے۔ اسلامی ادب وہ ادب ہے جو ان اخلاقی قدروں کی علمبرداری کرتا ہے جن کو اسلام دنیا میں فروغ دینا چاہتا ہے۔ فکری تنزل اور علم ونظر کے فقدان کے منہ زور ریلے کے آگے بند باندھنے کے لئے اس وقت معروفات یعنی اسلامی اخلاقی قدروں کی کتابت و خطابت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن اس کے برعکس آج ادب کے نام پر قلم جس طرح ہمارے رسائل وجرائد و اخبارات کو رونق بخش رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے ''مغربیت'' کو کتنی گہرائی تک اتر کر سمجھا ہے۔ چند ہفتے پیشتر خواتین کے ایک ایسے مشہور ماہنامے نے جو اسلامی ہونے کا دعویدار ہے اپنی ایک اشاعت میں جسمانی توانائی بحال رکھنے کے لئے پچاس آسان طریقے بتائے ان میں ایک کچھ یوں تھا کہ ''موسیقی سے دل بہلائیں، جب آپ جسمانی توانائی میں کمی محسوس کر رہی ہوں، نامعلوم سی اداسی آپ پر حملہ آور ہو تو اپنی پسندیدہ کیسٹ یا سی۔ ڈی سے دل بہلائیں''۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بھر کی مہلک بیماریوں نے مل جل کر اتنی ہلاکتیں نہیں کی ہوں گی جتنی ذہنی واخلاقی اموات قلم کے ناجائز استعمال کی بدولت ہوئی ہوں گی۔ وطنِ عزیز میں قلم کا غلط استعمال ہماری عوامی

رعنا ہاشم خان

بیماری بن چکا ہے۔ آج قلم قاری کو ساغر و مینا اور حسن وعشق کی پرخار وادیوں میں لے جا کر افرادِ قوم کا کردار ومزاج بگاڑ رہے ہیں۔ مطالعے کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱) تعمیری یعنی دینی، علمی، فکری
۲) لغو یعنی جاسوسی ڈائجسٹ، افسانے، رومانی ناول اور فلم و فیشن پر مشتمل مواد اور
۳) تخریبی جس میں تمام اخلاق سوز تحریریں، گھٹیا بے مقصد پروین شاکر اور نوشی گیلانی مارکہ شاعری اور جادو ٹونے اور عملیات کے طریقے شامل ہیں۔

ہمارے یہاں نمبر دو اور تین قسم کا مطالعہ مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ چکا ہے اور آپ کی ہر تمنا سات دن میں پوری ہوگی سے لے کر عشق میں ناکامی سے بددل ہو کر زہر پھانک لینا یا ہیرا چاٹ لینا جیسے نفسانی اور سماجی شر پر مشتمل موضوعات اس کی خاص وجہ ہیں۔ قلمکاروں نے اپنی قلمکاری سے پبلک کی کچھ ایسی ذہن سازی کی ہے کہ بہت سے لوگ دندان ساز کے پاس جا کر دانت نکلوانے پر تو راضی کئے جاسکتے ہیں لیکن کوئی اچھی کتاب پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں کئے جاسکتے۔ قرآن مجید فرقانِ حمید کی سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۴ میں جن ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے جو شیطان انسانیت کو بھٹکانے کے لئے بروئے کار لائے گا اس میں آواز بھی ہے جس سے دورِ حاضر میں میڈیا یعنی ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ اور صحافت ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان تمام خواتین وحضرات سے جو صحافت کے ذریعے ملک وملت کو گمراہ کرنے میں شیطان کے ساتھی بنے ہوئے ہیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر احساس مر نہ جائے تو لکھنے کو بہت کچھ ہے۔ جس کے لئے ہمیں عالم فاضل ہونے کی نہیں بلکہ کچھ کرنے کا جذبہ اپنے دلوں میں بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا جذبہ جو نہ صرف ہمیں اچھائی سیکھنے اور اس پر عمل کرنے پر اُکسائے بلکہ اس علم و تجربے کو دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے پر بھی آمادہ کر سکے۔ اس لئے ''یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر'' کے مصداق یا تو آپ اپنے قلم کے ذریعے وطنِ عزیز اور امتِ مسلمہ کے مسائل حل کیجئے، ان کے حوصلے بڑھائیے، معروف کو فروغ دیجئے اور منکر پر ضرب لگائیے یا پھر براہِ کرم صحت مند سوچ رکھنے والے قلمکاروں کی مثبت تحریروں کے لئے جگہ خالی کر دیجئے!

طاؤس ورباب آخر

آزادی مبارک! لیکن حصولِ آزادی کا مقصد فرمانِ قائد کے مطابق اسلامی ریاست کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا، رقص وسرور کی محافل سجانا نہیں۔ یومِ آزادی پر محافلِ موسیقی منعقد کرنے والے یہ نہ بھولیں کہ قیامِ پاکستان کے وقت اللہ سے ملک میں نفاذِ شریعت کے کئے گئے وعدہ کی عہد شکنی پر 71ء میں عذابِ الٰہی کا ایک کوڑا سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں ہم پر برس چکا ہے۔ اور اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے تو قرآن مجید میں تنبیہہ ربانی ہے:

''اگر تم پھر وہی کرنے لگے (یعنی اپنے اطوار نہ بدلے) تو ہم بھی دوبارہ ایسا کریں گے۔ (یعنی عذاب دیں گے)''

منجانب: تنظیم اسلامی لاہور

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی!

4 جولائی کی شام امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے دیر شہر (صوبہ سرحد) میں ایک اجتماع سے خطاب عام فرمایا۔ اس اجتماع کی اخباری خبر کے حوالے سے 12 جولائی کے روزنامہ مشرق پشاور میں پروفیسر فضل حسین صمیم نے امیر تنظیم کے ارشادات پر ایک تنقیدی کالم لکھا۔ چونکہ اخباری خبر عموماً سیاق وسباق سے کاٹ کر شائع کی جاتی ہے اس لئے کالم نگار سے امیر تنظیم کے مدعا کو سمجھنے میں جگہ جگہ غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ موصوف کے مذکورہ کالم کے جواب میں 21 جولائی کے روزنامہ مشرق ہی میں جناب ابو شعیب کی ایک تحریر شائع ہوئی جو ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔ (نائب مدیر)

محترم فضل حسین صمیم صاحب ایک شاعر' مصنف' ادیب اور کالم نگار کی حیثیت سے ملک گیر شہرت رکھتے ہیں۔ گویا اپنی ذات میں انجمن ہیں لیکن ان تمام صفات کے ساتھ وہ ایک استاد بھی ہیں اور راقم الحروف اسی حوالے سے اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ دور طالب علمی میں اس نے صمیم صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اس کی خوشگوار یادیں ابھی تک دل و دماغ میں مرقوم ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہی چیز حجاب کا باعث بن رہی تھی کہ محترم صمیم صاحب نے روزنامہ مشرق کی اشاعت بابت 12 جولائی 2002ء اپنے کالم ''لکھنا تو روشنی لکھنا'' میں ''چھتریاں تان کر بارش کی دعا کرتے ہیں'' کے عنوان کے تحت امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب دیر کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے' اس میں جو ابہام ہیں ان کی وضاحت کی جائے یا نہیں۔ لیکن پھر ان کی ہدایت ''لکھنا تو روشنی لکھنا'' کے پیش نظر یہ چند سطور بصد ادب و احترام تحریر کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے تو اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ دو کالمی اخباری خبر دو گھنٹے کی تقریر کا احاطہ نہیں کر سکتی لیکن اس سے قطع نظر محترم صمیم صاحب ایک باخبر صاحب نظر و فکر دانشور ہیں اور اس حوالے سے ان کا یہ کہنا کہ ''اس کا حل کیا ہے اس کی بات نہیں کی'' یا تو تجاہل عارفانہ ہے یا کالم کا پیٹ بھرنے کی سعی ناتمام۔ گویا۔

جانے نہ جانے گل نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

محترم ڈاکٹر اسرار احمد اپنے اس موقف کے حوالے سے ملک گیر شہرت رکھتے ہیں کہ ''انتخابات کے ذریعے اسلام نافذ نہیں ہوگا'' اور یہ بات صرف علم کی حد تک نہیں بلکہ ان کی پوری زندگی اس چیز سے عبارت ہے۔ انہوں نے اپنی نوجوانی' جوانی' ادھیڑ عمری اور بڑھاپا اسی چیز کی وضاحت کرتی ہوئے گزار دی ہے کہ اسلام کا نفاذ صرف اور صرف اسی طریقے سے ممکن ہے جس طرح نبی اکرمؐ نے کیا تھا اور اس موضوع پر ''منہج انقلاب نبویؐ'' کے عنوان سے 376 صفحات کی کتاب بھی لکھی ہے جو صرف اور صرف انقلاب نبویؐ کے مراحل و مدارج کی تشریح اور توضیح پر مشتمل ہے۔

یہ اور بات ہے کہ تم پہ نثار کر دی
عزیز اپنی جوانی سے نہیں ہوتی

محترم صمیم صاحب کا یہ فرمان کہ ''ایک + ایک = دو'' پر لوگ ہنسیں گے یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کسی کو دو بتانا چاہ رہے ہیں تو لازماً آپ بات ایک + ایک سے ہی شروع کریں گے۔ اور ان تمام چیزوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیشگوئیوں کے مصداق آخری زمانے میں اسلام کا

ابو شعیب

دوبارہ غلبہ ہوگا اور بقول اقبال۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے

بعض احادیث سے استنباط اور اس خطے کی 400 سالہ تاریخ یہ سارے قرآئن اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان شاء اللہ وہ خطہ یہی خطہ ارض پاکستان ہوگا لیکن دوسری جانب احادیث کی پیشگوئیاں اس بات کی خبر بھی دے رہی ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی منہ زوری اور فرعونیت' مسلمانوں کا مسلمانوں کے مقابلے میں نصاریٰ کا ساتھ دینا' الملحمۃ العظمیٰ یا بائبل کے الفاظ میں آرمیگاڈان کے واقعات ہو کر رہیں گے تاہم آخری غلبہ اسلام کا ہوگا۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

محترم ڈاکٹر صاحب انہی واقعات کی تشریح و توضیح و تبیین کے لئے 1 + 1 = 2 کر رہے ہیں۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

محترم پروفیسر صمیم صاحب نے اپنے استدلال کے بہاؤ میں انتہائی تاسف کا اظہار کرتی ہوئے سعید روحوں کا ذکر کیا ہے۔ سعید روحوں کا رونا اپنی جگہ لیکن ان کو مروانے والا کون؟ کس نے افغان کاز سے غداری کی؟ اور بات ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ ابتدائے عشق ہے اور اب کشمیر کاز اور پھر ایٹمی توانائی کا نمبر ہے اور ہمارا حال خدانخواستہ اس شخص کی طرح ہوگا جو چور کے ڈر سے پستول لے کر چھپ گیا اور جب چور سب کچھ لے گئے تو سینہ تان کر کہنے لگا دیکھ لیا میرا کمال بچا لیا نہ پستول۔

جہاں تک این جی اوز کا تعلق ہے اس پر تو اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ بچہ بچہ ان کے کردار سے واقف ہے۔ یہ ہمارے ریٹائرڈ بیوروکریٹس اور بیگمات کی کمائی اور تشہیر کا محبوب مشغلہ ہے اور اس امداد کی آڑ میں مغرب اپنے مقاصد جس طرح پورے کر رہا ہے وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ این جی اوز اور ملٹی نیشنل کمپنیوں اور عالمی مالیاتی اداروں کے ٹریکا نے ہمارے وجود کو دیمک زدہ کر دیا ہے اور ہم اس خود فریبی کا شکار ہیں کہ ہم ''آزاد اور باوقار'' قوم ہیں۔

باقی جہاں تک معاملہ متحدہ مجلس عمل اور اس کے ساتھ تعاون کا ہے تو تنظیم اسلامی خود تو انتخابات میں حصہ لیتی نہیں البتہ رفقائے تنظیم اسلامی دو شرائط کے ساتھ ووٹ دیتے۔ 1۔ امیدوار خود پابند شریعت ہو 2۔ پارٹی کے دستور اور منشور میں غیر شرعی شق نہ ہو۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ اگر متحدہ مجلس عمل اپنی اسی حالت پر رہا اور اس نے کہیں آزمائے ہوئے چہروں اور لٹیروں کے ساتھ تعاون نہ کیا تو ہم تعاون کریں گے اور اگر انہی لوگوں نے آنا ہے اور تاریخ کے پہیے کو پھر دہرانا ہے تو ہم اس جرم میں شریک کیوں بنیں۔

چند باتیں ایسی ہیں کہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے مقام سے اتر کر اور اصولی باتوں کو چھوڑ کر ذاتیات پر اتر آئے ہیں۔ ریکارڈ کی درستگی کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے بالکل نوجوانی میں اپنی ترجیحات میں دین کو اول درجے میں رکھا اور دنیا کو ثانوی اور اپنے کیریئر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی بہترین توانائیاں دین کے کام میں لگا دیں۔ پھر ایوب خان کے دور میں ان کو آفر ہوئی کہ سرکاری پالیسی کا ساتھ دیتے ہوئے جماعت اسلامی کی مخالفت میں میڈیا کو استعمال کریں۔ لیکن انہوں نے اپنا اصولی اختلاف رکھتے ہوئے بعض معاویہ کے تحت شہرت کے اس زینے کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں صدر ضیاء الحق مرحوم نے اپنی عقیدت کی بنیاد پر مختلف وزارتوں کی پیشکش کی لیکن آپ نے ٹھکرا دیا۔ ایک خوش فہمی

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

دہشت گردی کے خلاف مہم کی آڑ میں

عالم اسلام کا صفایا

امریکہ اس وقت یہود کے اشاروں پر دہشت گردی کے خلاف جو مہم چلا رہا ہے' وہ دراصل اسلام کی بیخ کنی کی مہم ہے اس کے پیش نظر نہ تو عیسائیوں کا خاتمہ مقصود ہے اور نہ دوسری غیر مسلم اقوام کا۔ یہ مہم عیسائیت کے خلاف اس لئے نہیں کہ یہودیت اور عیسائیت کے درمیان صدیوں سے جاری معاندانہ کشمکش میں عیسائیت کو مکمل شکست ہو چکی ہے اور اب وہ یہود کی ''بی ٹیم'' کے طور پر ان کے حاشیہ بردار بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح اس مہم سے ہنود کا خاتمہ بھی مقصود نہیں۔ گویا کہ موجودہ حالات میں عیسائیوں اور ہندوؤں کا معاملہ یہود کے آلہ کار یا غلاموں کے سوا کچھ نہیں۔

چنانچہ دہشت گردی کے خلاف موجودہ امریکی مہم خالصتاً اسلام کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کے نزدیک مسلم حکمران تو کسی نہ کسی طور پر ان کا ساتھ دے رہے ہیں لیکن مسلم دنیا کے عوام ان کے کردار پر سخت ناراض اور برانگیختہ ہیں۔ وہ مغرب سے نفرت کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہودیوں کی ہر طرح کی سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے باوجود عالم اسلام نہ تو عیسائیت کی طرح شکست تسلیم کر رہا ہے اور نہ یہود سے فکری' ذہنی اور ثقافتی ہم آہنگی پیدا کر رہا ہے' بلکہ اس کے برعکس اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کا عزم مصمم رکھتا ہے۔ چنانچہ یہود اسلام کو اپنے نیو ورلڈ آرڈر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مخصوص صورت حال سے یہود حواس باختہ ہو گئے ہیں اور اس عالم میں وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ پوری دنیا میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے جان و مال کی تلفی' دربدری' عصمت دری اور بے عزتی یہود کے اسی رویئے کا مظہر ہے۔

یہود کے نزدیک دہشت گرد صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ وہ دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ:

☆ اسلام ایک دہشت گرد مذہب ہے۔
☆ مسلمان دہشت گرد قوم ہے۔
☆ اسلام پر چلنے والی حکومتیں دہشت گرد حکومتیں ہیں۔
☆ ایسی دینی اور مذہبی جماعتیں جو اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں ہیں' دہشت گرد جماعتیں ہیں۔
☆ مسلمان ممالک کے لئے نیوکلیائی اور ایٹمی اسلحے کا حصول دہشت گردی ہے۔

اس مخصوص دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے خفیہ سازشوں کو اعلانیہ جنگ میں بدل دیا ہے۔ چنانچہ جنگ خلیج اسلام کی بیخ کنی کے لئے یہود کی سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز ہے۔ جنگ خلیج بظاہر بند ہو چکی ہے اور دنیا کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ اس جنگ کا مقصد صرف اور صرف ایک غاصب ملک کے خلاف تادیبی کارروائی تھی' لیکن درحقیقت یہ جنگ طویل جنگوں کے اس سلسلے کی ابتداء ہے جسے احادیث میں الملحمۃ العظمیٰ جبکہ عیسائی لٹریچر میں آرمیگاڈان کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس جنگ کا دائرہ پوری مسلم دنیا تک بڑھانے کے لئے امریکہ سے لاکھوں فوجیوں اور اربوں ٹن اسلحہ کو مشرق وسطیٰ منتقل کر دیا گیا ہے۔ بحر اوقیانوس' بحیرہ روم اور مشرق وسطیٰ میں دیوہیکل عسکری تعمیرات کی تیاری زور و شور سے جاری ہے۔ سربیا ناٹو جنگ' مشرقی تیمور کا ریفرنڈم' سانحہ افغانستان اور حال میں جاری

مولانا غلام اللہ خان حقانی

فلسطینیوں کی نسل کشی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ جنگ خلیج صرف اس لئے نہیں لڑی گئی تھی کہ کویت پر سے عراق کا قبضہ ختم کیا جائے' بلکہ یہود نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا تھا کہ عراق کا یہ عمل:

☆ قومیت کے اس نظریہ پر کاری ضرب ہے جو عہد وسطیٰ کے اسلامی نظام کے خاتمہ کے بعد ساری دنیا پر قائم کیا گیا تھا۔
☆ مغربی نظام کے منصوبے پر کاری ضرب ہے۔
☆ دوسرے مسلم حکمرانوں کو امریکہ کی عالمی چودھراہٹ کے خلاف بغاوت پر اکسانے کی دعوت ہے۔
☆ اسلام کے حرکی نظریئے کو تقویت دینے کا آغاز ہے۔

لہٰذا اگر اسے بروقت نہ روکا گیا تو ایک ایسا دھماکہ ناگزیر ہے جو سارے مغربی نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ کر دے گا۔

جنگ خلیج کے بعد اب جنگوں کا یہ سلسلہ یکطرفہ ہو گا' اس لئے کہ اس کا دوسرا فریق اتنا کمزور اور بے بس ہے کہ وہ دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہے۔ لہٰذا ہارنے والے فریق کی ہر چیز معدوم ہو جائے گی' جیسا کہ افغانستان میں ہوا۔ اس تناظر میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہود کی شیطانی قوت کے سامنے تمام انسانیت بالخصوص امت مسلمہ دیوار گہرے سمندر کے مابین آ گئی ہے۔ چنانچہ ان جنگوں کے ذریعہ یہود چاہتے ہیں کہ:

☆ پوری دنیا میں مسلمانوں کو نہتا کیا جائے۔
☆ اسلامی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کر کے ان کو ختم کیا جائے۔
☆ اسلامی جذبات و احساسات اور عزائم کو کچلا جائے۔
☆ جو ملک بھی اس عالمی غنڈہ گردی میں ان کا ساتھ نہ دے اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔
☆ اسلام کے جذبہ جہاد اور جذبہ حریت کو کچلا جائے۔

یہود نے ایک ایسی کشمکش کا آغاز کیا ہے جو ان کے لئے اور عالم اسلام دونوں کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ یہود کی پوری کوشش ہو گی کہ اسلامی قوت کو اس طرح شکست سے دوچار کیا جائے کہ اس میں دوبارہ سر اٹھانے کی سکت باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس یلغار کو روکنے کے لئے ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ:

☆ مسلم حکمرانوں میں یہود کے خلاف ہر قسم کے مقابلے کا جذبہ بیدار کیا جائے۔
☆ جدید تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کو اپنایا جائے۔
☆ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد میں یہود کے ان عزائم کے خلاف آگاہی اور شعور پیدا کیا جائے۔
☆ طلبہ کو قرآن حکیم کی حرکی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ مادیت پرستی کے بجائے آخرت کے اعلیٰ نصب العین کو اپنا کر مستقبل میں یہود کے اس منصوبے کو ناکام بنا سکیں۔
☆ صحافیوں اور ادیبوں کو یہود کے خلاف قلمی جہاد پر آمادہ کیا جائے۔
☆ دجالی فتنے کا مرکزی محور مال و دولت ہے' لہٰذا قوت لایموت پر گزارہ کر کے اس سے اپنے آپ کو محفوظ کیا جائے۔
☆ حکمران طبقے کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ایٹمی قوت کو غیر کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے اور مزید نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے اقدامات کرے۔
☆ خالص اور اصلی اسلامائزیشن کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے۔
☆ یہودیوں کے عالمی نظام کو ناکام بنانے کے لئے سود کا مکمل خاتمہ نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا مسلم ماہرین اقتصادیات ایسے امور کی نشاندہی کریں جن سے یہود کا یہ مضبوط ستون گر کر پوری عمارت کو زمین بوس کر دے۔

ضرورت رشتہ

سرگودھا سے صدیقی خاندان کی غیر شادی شدہ' مذہبی رجحان کی حامل خواتین کے لئے مناسب رشتے درکار ہیں:

1) عمر 55 سال' ایم اے (اسلامیات' اردو' انگلش) بی ایڈ
2) عمر 49 سال' ایم اے (اردو) بی ایڈ
3) عمر 40 سال' ایم اے (پولیٹکل سائنس) بی ایڈ
4) عمر 35 سال' ایم اے (اسلامیات) قاریہ

رابطہ: سردار اعوان' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

اللہ کی بندگی کے لئے اپنا وقت فارغ کیجئے' ورنہ......

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ بْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ اَمْلَاءُ صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدَّ فَقْرَكَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَاءُتُ يَدَكَ شُغْلًا وَّلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ))

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

''حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابن آدم اپنے وقت کو میری عبادت کے لئے فارغ کرلے تو میں تیرے سینے کو بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیری احتیاج دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے دونوں ہاتھوں کو (دنیا کے) کاموں سے بھر دوں گا اور تیری ضرورتیں پوری نہیں کروں گا۔''

اس حدیث قدسی کے الفاظ سے واضح طور پر یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ہمارے وقت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے عزیز و اقارب' دوست و احباب اور خود اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پاس دین کا کام کرنے کے لئے فارغ وقت نہیں ہے۔ ہم صبح سے شام تک گونا گوں دنیاوی مصروفیات میں مگن ہیں تو پھر کس وقت اللہ کے کام کریں؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ ہم میں سے بیشتر کے دل میں اس بات کی صداقت کی گواہی موجود ہے۔ میں نے اپنے من میں ڈوب کر' جب اپنی مصروفیات کا جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ وقت تو بہت ہے مگر ہم اسے ضائع کر رہے ہیں۔ اس جائزے کے دوران از خود ایک لسٹ تھی جو ذہن میں تیتی چلی گئی۔ اور پھر ایک احساسِ افسوس تھا جو طاری ہوا کہ ہم کن کاموں میں مگن ہیں اور ہمارے کرنے کا اصل کام کیا ہے اور وقت کس تیزی سے ہمیں ہماری موت سے قریب کر رہا ہے۔

بہر حال ذیل میں ایک لسٹ پیش خدمت ہے۔ ممکن ہے اس میں کسی نہ کسی اعتبار سے آپ کو بھی محسوس ہو کہ فلاں بات مجھ پر فٹ آتی ہے اور یوں آپ اپنے وقت کو فارغ کرنے میں کامیاب ہو سکیں:

1۔ <u>بے مقصد ٹی وی پروگرام</u>: ٹی وی کے آگے بیٹھ کر گھنٹوں ہی کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ حصولِ علم یا خبروں کی حد تک تو یہ ایک ضرورت ہے ورنہ سراسر وقت کا ضیاع۔

2۔ <u>لاحاصل مطالعہ کتب یا اخبارات و رسائل</u>: وہ ناول یا جھوٹی کہانیاں یا ڈائجسٹ جن کو پڑھنے سے صرف تفریح حاصل ہوتی اور کوئی بامقصد نتائج حاصل نہ ہوتے ہوں یا اخبارات کو از اول تا آخر چاٹنا بہر حال وقت مانگتا ہے۔ حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لئے مختصر اخبار کا جائزہ ہی کافی ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے اکثر اخبارات فحاشی پھیلانے کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا اخبار کا بیشتر حصہ پڑھنے کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ یہاں سے وقت بچائیں اور قرآن پڑھنے میں صرف کریں۔

3۔ <u>بازاروں میں شاپنگ</u>: یہ خصوصاً عورتوں کا مشغلہ ہے۔ جبکہ ایک حدیث مبارکہ کی رو سے بازار روئے زمین پر بدترین جگہ ہیں۔ بعض خواتین پورا بازار پھر کر ایک جوڑا

رفیقۂ تنظیم

خریدتی ہیں جبکہ ایک دوکان سے ہی کئی جوڑے خریدے جا سکتے ہیں۔ یہی معاملہ سلائی' کڑھائی اور کپڑوں کی رنگائی کا بھی ہے۔ اس معاملے میں ہر عورت بنظر غائر اپنا جائزہ لے اور ایک جائزہ سیرت صحابیات اور ازواج کا بھی لے اور پوری طرح نہ سہی کچھ نہ کچھ نسبت تو ان سے قائم کرنے کی کوشش کرے۔

4۔ <u>گھروں کی سجاوٹ اور صفائی</u>: بعض خواتین و حضرات کو اس کام کا بے حد شوق ہوتا ہے۔ گھروں کو صاف ستھرا رکھنا اگرچہ اچھی بات ہے۔ حدیث مبارکہ کی رو سے صفائی نصف ایمان ہے مگر ایک بات ہم بھول جاتے ہیں کہ اگر باطن گندا ہے تو ظاہر کی صفائی اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اصحاب صفہ کی مثال کو ذہن میں لائیں۔ وہ اللہ کے محبوب بندے کس حال میں ہوتے تھے لیکن ہر وقت علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے کے لئے سرگرم عمل رہتے تھے۔ اگر قرآن کا علم سیکھنے اور سکھانے کے لئے ٹائم بچانا ہے تو اس مد سے بھی بہت سا وقت بچایا جا سکتا ہے۔ ضرورت کے مطابق ہلکی پھلکی صفائی کر لی جائے تب بھی گزارہ ہو جاتا ہے۔ اصل ضرورت تو اس بات کی ہے کہ آنے والی زندگی جو نا ختم ہونے والی ہے وہاں سکھ اور چین ملے اور صاف ستھرا ماحول یعنی جنت ملے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔

5۔ <u>مختلف قسم کی تقاریب</u>: ہمیں اپنے ملنے جلنے کے مواقع کا جائزہ ضرور لینا چاہئے۔ ان کا حاصل کیا ہے؟ ان کے اہتمام میں ہم نے کتنا مال لگایا؟ اور کتنا وقت ضائع کیا؟ ان کی نوعیت کیا ہے؟ آیا کسی بدعت (مثلاً قرآن خوانی' برتھ ڈے پارٹی' غیر اسلامی رسومات) میں شرکت کی یا اس پارٹی میں کوئی خیر کا پہلو بھی تھا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم صرف مل کر گپ شپ لگانے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں اور چائے پیتے ہیں۔ ہمارا یہ ٹائم بھی اللہ کی نظر میں ضائع ہو گیا۔ کیونکہ نامۂ اعمال میں گپ بازی کا اندراج مفید نہیں بلکہ مضر ثابت ہو گا۔

6۔ <u>محض سستی</u>: بعض اوقات شیطان ہمیں کوئی بھی کام کرنے سے روکے رکھتا ہے۔ یونہی ست پڑے رہنے کو دل کرتا ہے۔ جسم ٹوٹنے لگتا ہے اور پورے جسم میں درد کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ جسم کے ٹوٹنے کی وجہ سستی ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر ہمت کر کے کھڑے ہوں اور کسی مثبت کام میں لگ جائیں تو طبیعت [illegible] ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں خالی ذہن شیطان کی آماجگاہ ہے۔ اس کو ذکر الٰہی سے پرکھنا چاہئے۔ اگر ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ ہمارے پاس وقت کم ہے اور کام ابھی بہت باقی ہے تو یہ سستی ہم پہ طاری ہو ہی نہیں سکتی۔

7۔ <u>طویل ٹیلی فون کالیں</u>: فون پر لمبی گفتگو دین و دنیا دونوں میں مہنگی پڑتی ہے۔ مردوں کی نسبت یہ عادت خواتین میں زیادہ ہوتی ہے۔ ٹیلی فون پر طویل گفتگو کے بعد ایک جائزہ ضرور لینا شروع کریں اور وہ یہ کہ اتنے عرصے کے دوران مثبت باتیں کتنی کیں اور منفی باتیں کتنی کیں اور بے مقصد کتنی گفتگو ہوئی۔ کونسی گفتگو نتیجہ کے اعتبار سے مفید اور کونسی مضر ہوئی۔

8۔ <u>انٹرنیٹ</u>: ٹی وی کی طرح اس جگہ بھی وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فی زمانہ شیطان کا مہلک ترین ہتھیار انٹرنیٹ ہے۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر بزرگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ ان کے بچے کیا کچھ سیکھ رہے ہیں۔ انٹرنیٹ اگرچہ آج کے دور کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کا مثبت استعمال کر کے ہم شیطان کا یہ ہتھیار اس کے خلاف بھی اسی شدومد سے استعمال کر سکتے ہیں۔

اب موضوع کی طرف آیئے۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی رو سے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عبادت کے لئے وقت نکالنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ عبادت کا مفہوم بہت وسعت کا حامل ہے۔ عام طور پر ہم عبادت سے مراد مراسم عبودیت' نماز' روزہ' اور حج مراد لیتے ہیں جبکہ عبادت عبد سے بنا ہے جس کا مطلب ہے بندگی کرنے والا یعنی غلام۔ جیسے ایک غلام ہر وقت اپنے آقا کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوتا تھا اللہ بھی اپنے بندے سے یہی چاہتا ہے کہ اس کا بندہ ہر وقت ہمہ تن اس

کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو۔ ہمارا ہر وہ عمل جو خدا کی رضا کے لئے کیا جائے عبادت بن جاتا ہے۔ اگر چہ وہ کسی کو پانی پلانا ہی کیوں نہ ہو۔ عبادت کے لئے جو سب سے پہلی ضروری چیز ہے وہ قرآن وحدیث کا علم ہے کیونکہ یہ علم ہی ہمیں بتائے گا کہ عبادت کس طرح کرنی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

((خیر کم من تعلم القرآن و علمه))

دین اسلام میں حصول علم کی بہت اہمیت ہے اس ضمن میں ایک حدیث کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

حضرت ابوالدردا ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو بیان کرتے سنا کہ ''جو شخص کسی راستے پر علم دین کی تلاش میں چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور فرشتے اس طالب علم کے اس عمل سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور (باعمل) عالم کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عبادت پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت باقی سارے ستاروں پر اور بلاشبہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے وہ علم شریعت ہی ورثہ میں چھوڑ کر جاتے ہیں پس جس شخص نے علم شریعت حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کر لیا۔''

(رواہ ابوداؤد و ترمذی)

اس حدیث مبارکہ کی رو سے عالم کی عابد پر فضیلت اور علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ علم کا حصول عمل کے لئے ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے ہر ہر عمل کو قرآن وسنت کے مطابق بنانا ہوگا۔

بہر حال اگر بندہ اپنا وقت اللہ کی عبادت کے لئے فارغ کرے تو اللہ اس کا نقد بدلہ یہ دیتا ہے کہ اس کا سینہ بے نیازی سے بھر دیتا ہے۔ اس میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ دنیا کے جن کاموں کی لسٹ اوپر بیان کی گئی ہے وہ ہماری ترجیحات ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو اہمیت دے رکھی ہے۔ وہ کام ہمیں ضروری محسوس ہوتے ہیں اسی لئے تو ٹائم نہیں بچتا۔ اب جبکہ ہم اللہ کی عبادت کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست لے آئیں گے اور ان خود ساختہ ضروری کاموں کو زیادہ اہمیت نہیں دیں گے تو رفتہ رفتہ وہ کام از خود ہمارے لئے غیر اہم ہو جائیں گے۔ ہمارے دلوں میں ان کاموں کی طرف سے بے نیازی آ جائے گی بلکہ ایک طرح کا پچھتاوا بھی ہوگا کہ وہ غیر ضروری کام جن میں ایک عمر کھپا دی اتنے لاحاصل ہیں کہ اخروی اعتبار سے سراسر نقصان میں گئے۔

دنیا کے کاموں میں سے دین کے لئے ٹائم نکالنے کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمارے دل اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہمارا اصل مسئلہ ہی حبِ دنیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت زیادہ اور باقی رہنے والی ہے۔'' (الاعلیٰ: 16,17)

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔''

ایک اور متفق علیہ روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''دوزخ کی آگ شہوتوں یعنی لذات وخواہشات سے ڈھانپی گئی ہے اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے ڈھانپی گئی ہے۔''

آخرت کو ترجیح دینے کا دوسرا نقد بدلہ جو اللہ تعالیٰ دیں گے وہ یہ ہے کہ و اسد فقرک یعنی میں تمہاری ضرورتیں پوری کروں گا اور حقیقتاً ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ جب حب دنیا نہ رہی' جب بدن پر' لباس پر' کھانے پینے پر' عیش وآرام پر رضائے الٰہی کو ترجیح دی تو ضرورتیں از خود ختم ہو جائیں گی۔ جب دل غنی ہو گیا تو احتیاج باقی کہاں رہ گئی۔ یعنی دل سے احساسِ زیاں بھی جاتا رہے گا۔ صحابہ کرامؓ کا نقشہ ذہنوں میں لائیں' ان کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا ہوا تو وہ خود بول اٹھے کہ ہماری تو دنیا ہی بدل گئی۔ کل جو مال واسباب ہمیں عزیز تھا آج سب بے وقعت نظر آتا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ پہلے زندگی محبوب تھی تو اب موت محبوب تر ہے۔

حدیث مبارکہ کے آخری حصے میں وارننگ یعنی تنبیہہ والا انداز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے دونوں ہاتھوں کو (دنیا کے) کاموں سے بھر دوں گا اور تمہاری ضرورتیں پوری نہیں کروں گا۔ ہم اپنے گرد وپیش میں بے شمار ایسی مثالیں دیکھتے ہیں کہ بعض خواتین وحضرات یہ کہتے ہیں فلاں مصروفیت سے فارغ ہو کر قرآن سیکھوں گا تو وہ وقت کبھی نہیں آتا۔ ایک مصروفیت کے بعد مزید بڑی مصروفیت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں بے حد مصروف زندگی گزارنے کے بعد بڑھاپے میں بھی اللہ انہیں رجوع کی توفیق نہیں دیتا اور یہ حسرت ویاس لئے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں کہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔ آخر وقت تک انہیں دنیاوی مصروفیت گھیرے رکھتی ہیں اور ان کی ضروتیں واقعتاً پوری نہیں ہوتیں یہاں تک کہ انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ:

((وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور))

''اور نہیں دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان''۔

بقیہ: جواب آں غزل

کی بناء پر مجلس شوریٰ کی رکنیت اختیار کی لیکن جب عقدہ کھلا تو دو ماہ بعد چھوڑ کر آ گئے۔ کیا جلسہ وجلوس کا اس سے بہتر موقع تھا؟ پھر نواز شریف صاحب خود چل کر دو دفعہ ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے لیکن ان کے سامنے بھی دستور میں اسلامی ترامیم اور دفعات کی بات رکھی کیا ہمارے رہنمایان ایسے مواقع ضائع کرتے ہیں؟ ہاں حضور کے ارشاد گرامی ''الدین النصیحة' ' کے مصداق حکمرانوں کو نصیحت و وصیت کرتے ہیں اور مشورہ دیتے ہیں چاہے وہ منبر رسولؐ پر بیٹھ کر ہو یا جلسہ عام میں یا اخبارات میں اشتہارات کی صورت میں یا سربراہ مملکت کے پاس جا کر روبرو۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب بھی اس کو انجام دیتے رہے ہیں۔

پند ونصائح کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے الاؤ میں پھینکنے کا فیصلہ کیا اور ایک ہجوم جمع کیا تو ایک ننھی سی چڑیا چونچ میں پانی بھر کر لاتی اور بھڑکتے الاؤ پر گرا دیتی۔ لوگوں نے اس سے کہا کیوں جان جلاتی ہو بھلا تمہارے چونچ بھر پانی سے یہ جہنم زار بجھ جائے گا۔ چڑیا نے کہا کہ تم سے زیادہ مجھے اپنی اوقات معلوم ہے لیکن میری اس حقیر کاوش کا ماحصل صرف یہ ہے کہ وقت اور مورخ یہ بات بہر حال نوٹ کرے گا کہ جب لوگ آگ دہکانے پر تلے ہوتے تھے تو چھٹانک بھر چڑیا آگ بھڑکانے والوں میں نہیں بلکہ بجھانے والوں میں شامل تھی۔ یہ بھی ایک مثبت رول ہوتا ہے اور ہر دور میں ادا ہوتا رہا ہے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے وقتی مصلحتوں اور مفادات کی آڑ میں اپنی قومی غیرت اور حمیت کا سودا کر دیا ہے اور قوم کو آگ کے الاؤ میں جھونک دیا ہے تو ہمارا کام دامے درمے سخنے آگ بھڑکانے والوں کا ساتھ دینا نہیں بلکہ بجھانے والوں کا ساتھ دینا ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کی تنظیم اپنی بساط بھر یہی کام کر رہی ہے۔

''لکھنا تو روشنی لکھنا والا'' یہ کالم صمیم صاحب نے اندھیرے میں بیٹھ کر لکھا ہے اور روشنی کے مینار سے صحیح استفادہ نہیں کیا شاید اس لئے وہ کچھ لکھا جو اس کالم کے عنوان سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور وہ نہیں لکھ پائے جو لکھنا چاہئے تھا۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

نے پردہ نہ تعلیم ' نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

کڑوی روٹی

ایک بیوہ عورت کی فرضی کہانی جو حقیقی زندگی میں غیر عادلانہ باطل نظام کی چکی میں پسنے والے بے شمار کرداروں کی نمائندگی کرتی ہے۔ دیکھئے کہیں ایسا کوئی فرد یا گھرانہ ہمارے اردگرد تو موجود نہیں!!

فرقان دانش خان

شہر میں چیچک کی وبا پھیلی۔ اس کا بڑا لڑکا اس موذی مرض کا شکار ہو کر چل بسا۔ لوگ رونے چلانے کی آواز سن کر تاریک گلیاں عبور کرتے' گندے راستے پھلانگتے' اس کی چھوٹی سی خستہ حال کوٹھڑی کے باہر جمع ہونے لگے۔

''کیا ہوا؟'' کسی نے پوچھا۔

''آگے بڑھ کر معلوم کرنا چاہئے۔'' ایک معزز ہستی نے ہمدردانہ لہجے میں کچھ زور سے کہا۔

ایک صاحب کوٹھڑی کے سامنے پڑے گند کے ڈھیر سے بچتے بچاتے آگے بڑھے۔ ''کھٹ کھٹ'' دروازہ کھٹکھٹایا۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ ایک زرد سے چہرے والی عورت نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کی رنگت اس بات کی غمازی کر رہی تھی جیسے اس کے جسم میں خون نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ اندر دھنسی ہوئی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں جن کے گرد گہرے سیاہ رنگ کے حلقے نمایاں تھے۔

محلے کی اس غریب بیوہ عورت کو سب جانتے تھے۔ اس کا شوہر کچھ عرصہ پہلے ایک حادثے میں مر گیا تھا۔ یہ لوگ چار سال پہلے یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ اور سر چھپانے کو یہ ٹوٹی پھوٹی کوٹھڑی ان کو میسر آئی تھی۔

اس عورت کا نام تھا..... ''شہزادی''

ماں باپ نے نجانے کیا سوچ کر یہ نام رکھا تھا۔ یا پھر قسمت نے اس سے کوئی بھیانک مذاق کیا تھا۔

وہ صاحب ایک لمحے کے لئے شہزادی کی دکھ بھری ماتمی صورت دیکھ کر لرز ہی تو اٹھے۔ اور پھر انہیں جیسے کچھ یاد آ گیا ہو کل ہی کی تو بات تھی۔ یہ عورت ان کے پاس بیس روپے قرض لینے آئی تھی اور کہا تھا ''بابو جی میرے حساب میں سے کاٹ لیجئے گا۔ میرا بچہ بہت سخت بیمار ہے۔ یہ پیسے اس کی دوا لانے کے لئے چاہئیں۔''

''ابھی تو سترہ دن باقی ہیں پہلی تاریخ آنے میں۔ تمہیں کتنی بار کہا ہے وقت سے پہلے رقم نہ مانگا کرو۔'' یہ ان صاحب کا جواب تھا۔ شہزادی کا گڑگڑانا اور منت سماجت کرنا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ ''صاحب جی میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں اپنے بڑے لڑکے کی بیماری کی وجہ سے پرسوں سے لوگوں کے گھر کام پر نہیں جا سکی اور کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی شام سے بھوکے ہیں۔ انہی پر رحم کھایئے۔''

''بھئی تو میں کیا کروں۔ تم لوگ پیدا کرتے وقت کیوں نہیں سوچتے۔''

پھر انہیں یہ منظر بھی اچھی طرح یاد آ گیا جب ان پر اس کی سسکیوں اور منت' سماجت کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اور وہ چادر میں منہ چھپائے روتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔

ایک دم ان کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور انہوں نے شہزادی سے پوچھا ''کیا ہوا۔ رو رو کر سارا محلہ کیوں سر پر اٹھا رکھا ہے۔''

''صاحب جی میرا بچہ'' اس کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکل سکے۔

''کیا ہوا بچے کو' اب ان کے لہجے میں دنیا بھر کا درد سمٹ آیا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے۔ باقی لوگ جو باہر کھڑے تھے کھسر پھسر کر رہے تھے' ان صاحب کے پیچھے کوٹھڑی میں داخل ہوتے چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے کوٹھڑی میں ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی سڑاند کے مارے رومال نکال کر ناک پر رکھ لئے۔

شہزادی کا چھ سالہ بڑا لڑکا چیچک سے چل بسا تھا۔ علاقے کے چند لوگوں نے کفن دفن کا انتظام کیا اور بچے کو دفن کر آئے۔

شہزادی ایک ماں تھی۔ ایک غریب' لاچار ماں!

وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ چلا چلا کر۔ گویہ شہزادی کا اکلوتا بیٹا نہ تھا۔ اس کی ایک چار سالہ چھوٹی لڑکی اور تین سال کا ایک لڑکا بھی تھا۔ لیکن اس ماں کی ممتا کو کیسے صبر آتا۔ جس کے بیٹے نے دوا نہ ملنے کی وجہ سے سسک سسک کر جان دی تھی۔

شہزادی غم سے نڈھال ہوئے جا رہی تھی اور ظالم معاشرے کے پاس تسلی دینے کے لئے مناسب الفاظ بھی نہ تھے کہ شاید انہی سے اس کی کچھ ڈھارس بندھ جاتی۔

''خدا کو یہی منظور تھا۔''

ایک صاحب نے آگے بڑھ کر کہا۔

''بھئی صبر کر و اللہ کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں۔''

ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے' جن کے گھروں میں وہ جا کر کام کاج کیا کرتی تھی۔ اور ان کے بچے کھچے سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی تھی۔ یہ وہی شرفاء تھے جنہوں نے ابھی کل ہی اس کو اپنے آرام میں مخل ہونے کی وجہ سے سخت سست کہہ کر خالی ہاتھ گھر سے نکال دیا تھا۔

لیکن اس وقت تو ان کا کوئی اور ہی روپ دیکھنے میں آ رہا تھا۔ سب نے چندہ کر کے شہزادی اور اس کے بچوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ شہزادی کے معصوم بچوں نے جو بھوکے پیٹ بیٹھے تھے' بھائی کے مرنے پر آنے والا کھانا خوب سیر ہو کر کھایا۔ شہزادی نے ایک بھی لقمے کو چھوا تک نہیں وہ کیسے یہ کڑوی روٹی زہر مار کر سکتی تھی۔

اسی طرح تین دن تک کھانا متواتر شہزادی کی گھر آتا رہا' اور شہزادی کے بچے اس کڑوی روٹی سے پیٹ بھرتے رہے۔

دن گزرتے رہے۔ شہزادی کا غم ہلکا ہوا تو وہ ایک بار پھر اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھنے لگی۔

قسمت نے ان بچوں سے دوبارہ مذاق کیا اور شہزادی بری طرح بیمار ہو گئی۔ اسے ملیریا ہو گیا تھا۔

اس مرتبہ بھی وہ لوگوں کے گھر کا کام کاج پر نہ جا سکی۔ اس کے بچے صبح سے بھوکے تھے۔ شہزادی نے کسی سے مدد مانگنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ نتیجہ اسے معلوم تھا۔

شہزادی پر بخار کی وجہ سے غنودگی طاری تھی اور بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ دوپہر کے وقت شہزادی کو ذرا ہوش آیا تو بچوں پر نظر پڑی۔

لڑکا بھوک سے روتے روتے سو گیا تھا۔ چھوٹی بچی جو ایک کونے میں بیٹھی معصومیت سے کچھ سوچ رہی تھی۔ بلکتی ہوئی ماں کے پاس آئی اور بولی! ''ماں بھیا کب مرے گا..... ماں..... ماں..... ساتھ والے گھر سے روٹی کب آئے گی؟''

سنن' سنن جیسے گولیاں چلیں۔ شہزادی سکتے میں آ گئی۔ اسے یہ الفاظ اپنے دل و دماغ میں تیر کی طرح پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔

''میری بچی'' شہزادی نے لپک کر اسے چمٹا لیا۔

وہ بخار کی حالت میں گرتی پڑتی' اپنے بچوں کے واسطے روٹی کا بندوبست کرنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

انجمن خدام القرآن جھنگ کے زیر اہتمام ماہ جولائی میں دعوتی و تربیتی پروگرام

اس مرتبہ جامع مسجد' دھچی روڈ کے خطبہ جمعہ میں ''توبہ کی حقیقت واہمیت'' کے عنوان پر خطاب ہوا۔ بحمداللہ ماہوار' پندرہ روزہ' ہفت روزہ درس قرآن' ترجمہ قرآن کلاس کے ساتھ مسجد بلال ؓ' کالج روڈ میں ''عربی گرائمر کورس'' کا اجراء کیا گیا۔ یہ کلاس صدر انجمن محترم انجینئر مختار حسین فاروقی باقاعدگی سے پڑھا رہے ہیں۔ ''قرآنی تربیت گاہ'' مناسب جگہ نہ ملنے اور چند انتظامی دشواریوں کی وجہ سے منعقد نہیں ہو سکی۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں قرآن اکیڈمی کے قیام و تعمیر کے سلسلہ میں رکاوٹوں کے بارے مشورہ ہوا۔ اللہ رب العزت آسانی پیدا فرمائے۔ آمین!

الہدیٰ لائبریری میں ویڈیو پر امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ''دورۂ ترجمہ قرآن'' کا پروگرام وقتاً فوقتاً جاری رہتا ہے۔ سمن آباد میں ایک نیا حلقۂ درس قائم ہوا ہے' جہاں اہل محلہ کے تعاون سے کافی احباب تشریف لاتے ہیں۔

قرآن اکیڈمی لاہور کے تحت خط و کتابت کورسز اور قرآن کالج' لاہور میں داخلہ پروگرام کے حوالے سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کی مہم جاری ہے۔

(رپورٹ: معتمد انجمن خدام القرآن' جھنگ)

حلقہ پنجاب (شمالی) کے امیر کا دورۂ جاتلاں

حلقہ پنجاب (شمالی) کے امیر جناب شمس الحق اعوان تنظیمی دورہ پر 2 اگست کو جاتلاں تشریف لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے جامع مسجد دارالسلام' جہی میں سورۃ الحج کی آخری دو آیات کے حوالے سے جمعہ کے اجتماع کو ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ بندگیٔ رب اور شہادت علی الناس پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ باطل نظام کے تحت ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ محدود دائرے میں رہ کر جزوی بندگی یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کے فرائض تو ادا کر سکتا ہے لیکن اپنی معاش' معاشرت اور سیاست کو اسلامی نہیں بنا سکتا جبکہ اپنے ماننے والوں سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں۔ ان کی زندگی کا کوئی انفرادی یا اجتماعی گوشہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت سے باہر نہ رہ جائے۔ انہوں نے ایک حدیث نبویؐ کے حوالہ سے موت کو کثرت سے یاد کرنے اور زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن کی یاددہانی کرائی۔

بعد نماز جمعہ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں امیر حلقہ نے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے حاضرین کو تنظیم میں شمولیت کی دعوت پیش کی۔ بعض احباب نے سوالات بھی کئے جن کے جوابات دیئے گئے۔ اس پروگرام میں بہت سے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے شرکت کی۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی میر پور کے رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر رفقاء کی حاضری 100 فیصد تھی۔ امیر حلقہ نے نقباء کو اپنی ذمہ داریاں پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرنے اور اجتماعات کو نظام العمل کے مطابق منعقد کرنے کی ہدایت کی۔ ساڑھے پانچ بجے امیر حلقہ واپس تشریف لے گئے۔ (رپورٹ: سید محمد آزاد)

تنظیم اسلامی لاہور (جنوبی) کی شب بسری اور ماہانہ دعوتی و تنظیمی پروگرام

اس شب بسری کا انعقاد 6 جولائی کو سمن آباد میں واقع لاہور (جنوبی) کے دفتر میں ہوا۔ اس میں 40 رفقاء نے بھرپور شرکت کی۔ اس سے پہلے ماہانہ دعوتی و تربیتی پروگرام زون نمبر 1 کے زیر اہتمام اسرہ علامہ اقبال ٹاؤن میں مسجد انکم ٹیکس کالونی میں منعقد کیا' جس میں 15 رفقاء اور 20 احباب نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز مغرب کے بعد مطالعہ قرآن سے ہوا' جس میں محترم شاہد احمد عبداللہ نے ''مسلمانوں کی زبوں حالی اور اس کی وجوہات'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ مطالعہ حدیث جناب سید عبدالغفور نے پیش کیا۔ آخر میں جناب احمد حسن شاہ نے حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کی اخلاقی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا۔ دعا کے بعد تمام رفقاء دفتر لاہور (جنوبی) پہنچے۔

شب بسری کے آغاز میں جناب چوہدری محمد افضل نے مطالعہ حدیث کے تحت حقوق العباد کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد جناب عاصم نذیر بخاری نے اپنے فکر انگیز خطاب کے ذریعے رفقاء کو ذاتی احتساب' تنظیم کی فکر کو اپنے رویہ کا حصہ بنانے اور لوگوں کے سامنے عملی نمونہ بننے کی اہمیت کو واضح کی۔ اس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ نماز عشاء اور کھانے سے فارغ ہو کر تمام رفقاء نے آرام کیا۔

نماز تہجد کے بعد ادعیہ ماثورہ کی نشست ہوئی۔ فجر کے بعد جناب انجینئر حافظ عبداللہ محمود نے درس قرآن دیا' جس میں بنیادی انسانی اخلاقیات و معاملات کی ضرورت و اہمیت واضح کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک دعوت دین کے داعی کہلانے کے حقدار ہی نہیں جب تک کہ انسانی ہمدردی' اخوت و بھائی چارہ' صلہ رحمی' سچائی و ایفائے عہد جیسے بنیادی وصف ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتے۔ مختصر آرام و ناشتہ کے بعد نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف کروایا گیا۔ اس کے بعد جناب اعجاز خان نے تنظیم کے حوالے سے Swot Analysis کی نشست منعقد کروائی جس میں تمام رفقاء نے بھرپور حصہ لیا۔ دعا مسنونہ کے بعد پروگرام کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: عابد محمود)

بقیہ: خصوصی مضمون

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!
سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا!
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

سیکولر نقطۂ نظر سے یہ مذہبی رومانویت (religious romanticism) تھی' تاہم یہ رومانویت بھی بہت جذبہ پرور تھی۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں ہی پاکستان قائم ہوا۔ اس لئے کہ ہم نے جب اس قدر زور و شور سے کہا کہ ہماری تہذیب و تمدن' قانون' زبان' ثقافت اور عقائد ہر شے علیحدہ ہے اور ہم ایک علیحدہ قوم (''مسلمان'') ہیں تو اس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا..... اور جان لیجئے کہ یہ معجزانہ طور پر وجود میں آیا ہے' اس لئے کہ یہاں آ کر دو چیزیں مل گئی ہیں' مشیت ایزدی اور زمینی حالات۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بھی طویل تدبیر ہے' جس کے اندر پاکستان کے اس مقام کی ایک حیثیت مطلوب تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت خصوصی کے تحت پاکستان قائم ہو گیا۔ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے نعرے کے ساتھ قائم ہوا۔ گویا جو بھی اس وقت کی بے خدا' آزاد خیال' اباحیت پرست تہذیب تھی' وہ تہذیب کہ جس کے رگ و پے میں سود سرایت کئے ہوئے تھا' وہ تہذیب کہ جس میں انسانی حاکمیت اور سیکولرزم کا ڈنکا بج رہا تھا' اس کے خلاف (anti thesis کے طور پر) پاکستان وجود میں آیا تھا۔ گویا پاکستان روح عصر کے خلاف نعرۂ بغاوت تھا جو اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔

❁ ❁ ❁

HR violations. Unabomber, Aum Shinrikyo and Baruch Goldstein are only different because they had no opportunity to lead governments like Bush, Blair, Sharon and Vajpayee. Together they have equally placed their own twisted morality above mankinds. Unfortunately, Bush, Blair and Sharon's followers are not an isolated cult like Branch Davidians. They come out of an indoctrinated culture with a mainstream media that reinforces their hostility, distrust and hatred of Muslim. This culture does not condemn Israeli and American terrorism but fuels the fanaticism that is at its heart. To say that the US government is not promoting a war on and within Islam may be reassuring, but it is false.

Even long before September 11, commentaries in the mainstream American media carried a not-so-hidden admiration for dictators who could help divide Muslims. To understand how genuine grievances of the Muslims masses are labeled as religious terrorism, one needs to refer to Fareed Zakria's column in the Newsweek (Oct. 15, 2001, part IV). Like other American analysts, he rightly describes that there is a "sense of humiliation, decline and despair that sweeps the Arab world... Arabs feel that they are under siege from the modern world..." But in the very next sentence, he switches gear to propaganda notions to avoid the root causes and blame religion for it "America must now devise a strategy to deal with this form of religious terrorism." Helping through French gadgets and American agents is useless. Just let Muslims live by their centuries of religious and social experience under the governments of their own free choice. They would love to live in a hell of their own creation, than a world turned into hell with safe heavens by the West for the so-called moderates. The more there is an effort to split them through war within Islam, the greater would be instability and uncertainty. There is no terrorism - there is only a reaction to the imposition of a way of life on the Muslim world through bombing, invasion and support to pro-US dictators. Stop it and we all will have the long awaited peace in the world.

References:

(1) The Dawn, August 4, 2002.

(2) Late line, Daniel Pipes on Australian Broadcasting Corporation August 5, 2002 (see <http://www.danielpipes.org/article/439>)

(3) Fareed Zakaria the Politics of Rage Newsweek, October 15, 2001 issue.

(4) "Rumsfeld calls for liberation of Iraq. Front-page Story, Dawn, August 11, 2002. See the way he glamorises liberation: "if a bad regime was thrown out, people were liberated, food could come in, borders could be opened, repression could stop, prisons could be opened I mean it would be fabulous."

انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کی شائع کردہ کتاب

سود: حرمت، خباثتیں، اشکالات

جس میں سود سے متعلق تمام ضروری بنیادی معلومات کے ساتھ ساتھ حال ہی میں سپریم کورٹ میں ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ قیمت: 24 روپے

ملنے کا پتہ: **قرآن اکیڈمی**

خیابان راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز VI، کراچی

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

- یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
- کورس کا دورانیہ اوائل ستمبر تا اواخر مئی، قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون، جولائی، اگست کے تین مہینے گرمی کی شدت کے پیش نظر نظام الاوقات سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔
- یہ کورس دو سمسٹروں پر مشتمل ہے۔ پہلا سمسٹر 2 ستمبر سے 23 جنوری تک ہوگا۔ جس میں عربی گرامر، عربی ریڈر، مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، تجوید و حفظ اور ترجمہ قرآن کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔ دوسرے سمسٹر میں 27 جنوری تا 31 مئی کے دوران عربی گرامر مع ترجمہ و تجوید قرآن، سیرت النبی اور تحریکی لٹریچر، مطالعہ حدیث، فکر اقبال اور فکر جدید اور مطالعہ فقہ کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔

سیشن 03-2002ء کے داخلے کا شیڈول ان شاء اللہ حسب ذیل ہوگا:

- داخلہ کے خواہشمند حضرات داخلہ فارم 26 اگست تک جمع کرا دیں۔
- داخلہ کے لئے انٹرویو 31 اگست 2002ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جا سکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 2 ستمبر 2002ء سے ہو جائے گا۔

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: 03-5869601)

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail:abidjan@tanzeem.org)

When help begets terrorism

French Foreign Minister Dominique de Villepin offered Pakistan help to fight terrorism.(1) The help package consists of high-tech gadgets and fingerprints collecting equipment. The US is also helping Pakistan through sending agents after agents and assisting Musharraf's regime in holding ground and rounding up people without due process of law. Is this an appropriate way to help us stem the yet-to-be-defined terrorism? America and its Allies must reassess their policies to see if their help is failing or fanning "terrorism."

For the first time in the history of Pakistan, we are witnessing attacks on Western interests and Christian institutions alike. It is utterly misleading on part of the government of Pakistan to claim that a group of twenty or so terrorists are behind these attacks. This amounts to ignoring too many fingers in our pie. Too many conflicting interests are now at stake in Pakistan. In the wake of US war on terrorism, which the American analysts, such as Daniel Pipes, have admitted to be a disguised war on Islam,(2) religious organizations are the natural scapegoats. But it is naïve to hold a single group responsible for such acts of terrorism.

We must keep in mind that attacks on churches and schools cause more damage to Pakistan and Islam than US and its Allies. Persons responsible for attacks on American interests would never attack churches, schools and hospitals. If religious minded groups are prime suspects in attacks on Western interests, secular agents of American, Indian or some other government are the actual culprits behind attacks of Christian institutions. Their motive is very clear: - presenting Muslims as barbarians and justifying further tightening Western noose around their neck.

Attacks on US interests are a clear sign of rage - rage of the silent majority suffering at the hands of US-led policies. These attacks are translation of a fraction of this rage into practical action. Fareed Zakaria asked in his Newsweek column: "Why do the terrorists hate us?" (3) Many would know only if the question is rephrased as: What turns innocents into terrorists in the first place? The answer is oppression. The oppressed know their enemy. They do not need Washington to define their liberation. Rumsfeld glamorises liberation of Iraq but ignores 3 million Palestinians chocking under 37-year Israeli occupation.(4)

Liberation of Afghanistan from the Taliban's alleged oppression was a ruse for occupation with other motives. Afghan people never resort to attacking Taliban's interests because they were, in fact, not oppressed. The proof lies in the fact that despite being far better equipped; the US forces are coming under regular attacks even within Kabul city because they are considered as a real oppressive occupation force. Oppression breeds violence of a proportion that cannot be contained with cosmetic gestures of help. Palestinian reaction to Israel's use of force is a good oppression-meter. Violent reactions and their intensity are good indicators for judging who are really oppressed and to what degree. Not a single Afghan attack on Pakistan's interests for its support to the allegedly oppressive Taliban government compared to countless attacks on US interests for its sponsoring oppressive regimes show who is at fault and who needs to be liberated.

What is happening to the Palestinians is happening to all Muslims in their respective occupied lands. Of course, anger is not enough to get us through - as some marginalised elements think - what is going to be a long struggle against global apartheid, but that is a natural reaction to interventions and occupations. American agents and French gadgets will only help exacerbate this situation. Muslims do no envy US because it is rich and strong. There are billions of poor and weak people around the world. Why do they not attack American interests? Actually, they need not blow themselves up to make the rich and mighty hear a protest. If envy were the cause of terrorism, less secure places such as Geneva, Brussels, and Toronto would have become morgues long ago. If misinterpretation of Islamic teachings were the cause of terrorism, the strains would not have waited to appear only after the fall of Soviet Union.

What happened to the Muslims all of sudden? Didn't Jews and Christians live peacefully under the Muslim rule until the 1950s? Did pre-eminent historian, Bernard Lewis, not testify that for much of history religious minorities did better under Muslim than Christian rulers? All that cannot change in the course of 10-12 years without any reason. We are in this particularly difficult situation because the Western analysts, particularly the Americans, started presenting the world of Islam as a threat.

Those who are genuinely interested in helping us fight terrorism must consider that there is something stronger at work in the West than deprivation and jealousy in the Muslim world. It is something that not only moves Muslims to kill but also to blow themselves to countless pieces. It is something, which Western analysts, such as Pipes and Friedman, have been proposing over the years - promotion of a war within Islam to dilute Islamic threat and impose secularism in the name of modernization. We have just started reaping fruits of their fear mongering translated into unjust foreign policies. For most Western capitals, this is a holy mission against the "evil of Islam." Most westerners disagree. They are, however, marginalised. Bush heads a long line of extremist leaders who are invoking democracy and freedom to promote the exact opposite of these values: intervention, occupation and gross